ایمانیات

دی ریوائیول

بنیادی افکار و نظریات: کتاب (۱)

مدثر رشید

نام	ایمانیات
تصنیف	مدثر رشید
ناشر	The Revival Publications
اشاعت	طبع اول۔مارچ ۲۰۲۳

فہرست مضامین

دیباچہ	8
حقیقت ایمان	14
1۔ غیر شعوری ایمان کی تعریف	15
2۔ شعوری ایمان کی تعریف	16
3۔ شعوری اور غیر شعوری ایمان کے فوائد و نقصانات	17
4۔ ایمان کا لغوی مفہوم	19
5۔ ایمان کا اصطلاحی مفہوم	19
6۔ ایمان سے متعلق مغالطے	20
ایمان باللہ	21
1۔ پہلا مرحلہ: خدا کے وجود کا ثبوت	22
a) تخلیق کائنات سے استدلال	22
b) نظم کائنات سے استدلال	23
2۔ دوسرا مرحلہ: خدا کی وحدانیت کا ثبوت	23
3۔ تیسرا مرحلہ: خدا کی شناخت کا ثبوت	24
a) پہلا آئی ڈی کارڈ: (ID Card) انبیاء و رسلؑ کا صادق اور امین کردار	25
b) دوسرا آئی ڈی کارڈ: معجزہ	25
4۔ معجزے کی تعریف اسلاف کے اقوال کی روشنی میں	27
5۔ قرآن کے معجزہ ہونے کے ضمن میں چند دلچسپ واقعات	28
7۔ معجزات کو خدا کے وجود کے لیے استعمال کرنا اور مغربی فلاسفہ کی تنقید	30
8۔ قرآن کی حقانیت کو ثابت کرنے والے دیگر دلائل	31
9۔ حاصل کلام	32
ایمان باللہ کا ہمہ گیر تصور (توحید و شرک)	34
توحید اور شرک کا تعارف	35

1۔اقسام شرک	35
a)شرک فی العقیدہ	35
i)شرک فی الذات	35
ii)شرک فی الصفات	38
b)شرک فی العمل اور عصر حاضر کے خداؤں کی پہچان	44
2۔شرک اصغر شرک اکبر میں کیسے تبدیل ہوتا ہے؟	49
3۔شرک سے بچاؤ کا طریقہ	50
ایمان بالآخرت	51
1۔ایمان بالآخرت: عقلی دلائل	53
2۔ایمان بالآخرت کا ہمہ گیر تصور	55
1۔انکار	55
2۔انکار مع الاقرار	56
3۔آخرت کے انکار کا سبب سرکشی کی روش سے بازنہ آنا ہے	62
ایمان بالکتاب	64
1۔ایمان بالکتاب: عقلی دلائل	64
a)قرآن کا اصل مرتبہ	67
b)قرآن کی تنزیل: اللہ کی عظمت اور رحمت کا بہت بڑا مظہر	68
c)قرآن کے نزول کا مقصد (ہدایت)	71
d)قرآن سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان	72
3۔ایمان بالقرآن کے تقاضے	74
ایمان بالقدر	78
1۔ایمان بالقدر: عقلی دلائل	78
2۔ایمان بالقدر: ہمہ گیر تصور	78
3۔ایمان بالقدر کے ضمن میں غلط تصورات	79
4۔مسئلے کی سنگینی اور اس کا حل	83
5۔علامہ اقبالؒ کا تجویز کردہ حل قرآن کے دو مقامات کی روشنی میں	85

6۔ تقدیر تبدیل ہو سکتی ہے اور مرد مومن کا ارادہ تقدیر بن سکتا ہے	86
ایمان بالرسالت	88
1۔ ایمان بالرسالت کے عقلی دلائل:	88
2۔ ایمان بالرسالت کا ہمہ گیر تصور	89
3۔ عظمت مصطفیٰ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں	90
4۔ ایمان بالرسالت کے تقاضے	94
5۔ آئیڈیئل (Ideal) کی توحید	98
ایمان بالملائکہ	99
1۔ ایمان بالملائکہ پر عقلی دلائل	99
2۔ قران کی روشن میں ملائکہ کی حقیقت	99
3۔ ایمان بالملائکہ کا ہمہ گیر تصور: نیابت الٰہی اور انسان کے حوالے سے فرشتوں کا مقام	101
بنیادی افکار و نظریات کی فہرست	103

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيم

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (٢١) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (٢٢) وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (٢٣) فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (٢٤)[بقرة]

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے ۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبر دار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو ۔ ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مدد گاروں کو بھی بلا لو ۔ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہر گز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سُورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھُپا دیکھ
ایّامِ جُدائی کے سِتم دیکھ، جفا دیکھ

(اقبالؒ)

دیباچہ

یہ 2005 انگلستان کے شہر برسٹل میں گرمیوں کی ایک شام تھی کہ میرا دماغ ایک سوال پر غور کر کر کے پھٹا جا رہا تھا۔ اس سوال کا جو بھی جواب میرے ذہن میں پیدا ہو رہا تھا اس کا رد میرا ذہن خود ہی کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس کیفیت کو تاری ہوئے ایک مہینہ گزر چکا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں اپنا ایمان کھو دوں گا۔ دراصل ہوا کچھ یوں تھا کہ ایک مہینے پہلے میں ایک مسلم سکالر اور ایک دہریے (Atheist) کے مابین ہونے والے مناظرے (Debate) میں شرکت کرنے کے لیے گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دین کی طرف کچھ رغبت ہو گئی تھی۔ شیخ احمد دیدات ؒ اور ڈاکٹر ذاکر نائک کے غیر مسلموں سے کیے گئے مناظروں نے اللہ کے اذن سے اپنے دین پر ایک اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ اس لیے شوق پیدا ہو گیا تھا کہ ایسے مناظروں میں شریک ہو کر Atheists کو دعوت حق دی جائے۔

چنانچہ مذکورہ مناظرے میں بھی اسی نیت سے شرکت کا ارادہ کیا تھا لیکن جب میں کچھ دوستوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ Atheist اسکالر کسی مصروفیت کی وجہ سے نہ آ سکا جس کی وجہ سے مناظرے کی نئی تاریخ بتا دی گئی۔ حاضرین اس سے مایوس ہو کر تتر بتر ہو رہے تھے کہ میری نگاہ کچھ برطانوی طلباء پر پڑی جو آپس میں کچھ بحث کر رہے تھے۔ سوچا کہ ان کو کچھ دعوت حق دی جائے۔ میں جا کر ان کی بحث میں شریک ہو گیا۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ وہ بے عمل عیسائی (Non-practicing Christians) ہی ہیں۔ میں جو کہ ہونے والی بحث میں ان کے ساتھ کچھ منٹوں سے شامل تھا، نے یہ سوال کیا کہ آپ میں سے کوئی ایسا ہے جو خدا پر یقین نہیں رکھتا۔ اس پر ان میں موجود ایک طالب علم نے فوراً اس کا جواب دیا کہ مجھے تو خدا کے وجود سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن میرے ذہن میں یہ سوال ضرور ہے جس کا تا حال مجھے جواب نہیں مل سکا کہ خدا کی شناخت کیا ہے؟ یعنی سچا خدا کون سا ہے؟

اس سوال کے سنتے ہی میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ میں تو ان کے سامنے خدا کا وجود ثابت کرنے کے لیے آیا تھا۔ اب تک میں نے جو بھی مطالعہ کیا تھا اس کے مطابق اس سوال کے جواب سے متعلق تو میری مکمل تیاری تھی۔ اس ضمن میں بے شمار دلائل تھے جنہیں میں پیش کر سکتا تھا۔ کائنات کی تخلیق سے دلائل (Cosmological / kalam cosmological Argument)، کائنات میں موجود نظم سے دلائل (Teleological Argument)، نظریہ ارتقاء کا رد، برائی کے وجود کا مسئلہ (Problem of Evil) وغیرہ جیسے مباحث کو تو میں اچھی

طرح سمجھا ہوا تھا۔ مگر اس پر میری بھی کبھی توجہ نہیں گئی کہ اگر خدا کا وجود ثابت ہو جائے تو پھر اس کی شناخت کیسے کی جا سکتی ہے؟ یہ سوال اس لیے بھی اہم تھا کہ اسی بنا پر سچے دین کی شناخت بھی کی جا سکے گی۔

خدا تو موجود ہے پر کس کا تصورِ خدا درست ہے؟ مسلمانوں کا؟ عیسائیوں کا؟ یہودیوں کا؟ ہندوؤں کا؟ بدھ مت کے پیروکاروں کا؟ کس کا؟

یہ وہ سوال ہے جس کا ذکر میں نے آغاز میں کیا تھا جو ایک مہینے تک میرے ذہن میں گردش کرتا رہا اور جس پر سوچ سوچ کر میں قریب تھا کہ اپنا ایمان کھو دیتا، جب اللہ کے خصوصی فضل و کرم کی وجہ سے میں بچ گیا۔ اس واقعے کے کچھ ہفتوں کے بعد شام مغرب کی نماز کا وقت تھا کہ وہ لمحہ مجھ پر وارد ہوا جسے میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔ آن واحد میں قرآن کا مندرجہ ذیل مقام میری نگاہوں کے سامنے آ کر گویا رک گیا۔ قلب و ذہن میں جو ہیجان کی سی کیفیت تھی اور جس کی وجہ سے خیالات منتشر تھے وہ تھم گئی تھی، سوچ کے تمام اشاریے (Pointers) اس آیت کی طرف اشارہ کرتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے اس سوال کا جواب مل چکا تھا۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ [بقرۃ]

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں (یا گواہ ہوں) ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو، لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

میں نے اس وقت تک کچھ زیادہ گہرائی سے قرآن کا مطالعہ تو نہیں کیا تھا مگر مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن وقتاً فوقتاً مطالعے میں رہتی تھی۔ اسی مطالعے کے دوران شاید یہ آیت تحت الشعور میں کہیں پیوست ہو گئی تھی یا یہ حوالہ کسی مناظرے سے ذہن میں رہ گیا خیر جو بھی تھا اللہ تعالیٰ ابڑا کرم ہو اکہ اس وقت یہ مقام شعور کی سطح پر نمودار ہوا اور اس نے سارا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ یہ لمحہ مجھ پر اس وقت وارد ہوا تھا جب میں گھر سے باہر تھا۔ فوراً گھر پہنچا اور قرآن کو سینے سے لگا لیا کہ یہی وہ حتمی دلیل ہے جو سچے خدا اللہ رب العزت کی حقانیت ثابت کر دیتی ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنی زندگی کی پہلی تحریر انگریزی زبان مین لکھی جس کا عنوان تھا 'Reason to Believe in God'۔ اس کو لکھنے کے بعد میرا یہ معمول رہا کہ جب تک میں انگلستان میں رہا غیر مسلموں کو اسی کے ذریعے دعوت دیتا رہا۔ اس دن سے لے کر آج تک اس موضوع پر بہت کچھ پڑھا اور لکھا لیکن جو بات اس وقت سمجھ میں آ

چکی تھی وہ آج بھی اسی طرح روز روشن کی طرح واضح ہے جیسا کہ اس وقت تھی۔ بلکہ سالوں کی تحقیق نے اس نتیجے تک پہچا دیا ہے کہ سچے خدا کی شناخت کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔

اس لمحے نے میری زندگی تبدیل کر کے رکھ دی تھی۔ اس کے بعد 2005 میں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی اور مجھے قرآن مجید کے گوشہ عافیت میں پہنچا دیا۔ ہوا کچھ یوں کہ میں ایک روز یونیورسٹی آف برسٹل کے اسلامک سینٹر میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا تو وہاں ایک نوجوان امام جمعے کا خطبہ دے رہے تھے جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کا یہ خطبہ سورۃ الفاتحہ کے اوپر تھا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کے حوالے سے بیان کر رہے تھے کہ نماز میں جب ہم یہ سورت پڑھتے ہیں تو یہ دراصل اللہ کے ساتھ ایک مکالمہ ہوتا ہے[1]۔ جب بندہ کہتا ہے 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (تمام شکر رب العالمین کے لیے ہے)' تو اللہ کا جواب آتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔ جب بندہ کہتا ہے

'الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (وہ رب جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی)' تو اللہ ک جواب آتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ پھر بندہ جب کہتا ہے

'مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ (وہ رب جو فیصلے کے دن کا تنہا مالک ہے)' تو اللہ کا جواب آتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ پھر امام فرما رہے تھے کہ اس کے بعد کی آیت بہت اہم ہے۔ جب بندہ کہتا ہے 'إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ' یعنی میں اب فیصلہ کرتا ہوں کہ بس میں آج سے تیری ہی بندگی کروں گا اور آج کے بعد صرف تجھ ہی سے مانگوں گا تو یہ بندے کا اپنے رب کے ساتھ ایک معاہدہ (Contract) ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں اللہ فرماتے ہیں 'یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور اب میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے'۔

ایک عرصے کے بعد ایسا پر اثر خطبہ جمعہ سننے کو ملا تھا۔ مجھ سمیت دیگر حاضرین بھی گویا کہ اس خوبصورت حدیث کی اس خوبصورت وضاحت میں محو تھے۔ پھر امام نے ایک ایسی بات کی کہ جس نے مجھ سمیت شاید سب کو ہی ایک اور کیفیت میں ڈال دیا۔ امام فرما رہے تھے کہ اگر یہ معاہدہ آپ نے صحیح طرح کر لیا تو حدیث کے الفاظ تو واضح ہیں کہ جو آپ مانگیں گے مل جائے گا۔ اور ہم اس سورت میں آگے کیا مانگتے ہیں 'اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ (اللہ ہمیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت نسیب فرما)'۔ تو ان کا کہنا تھا کہ صرف ایک نماز آپ کی زندگی زندگی تبدیل کر سکتی ہے شرط یہ ہے کہ آپ کا معاہدہ سچا ہو۔ تو کیوں نہ وہ نماز یہی آج کی نماز ہو۔ اس کے بعد انہوں نے واضح کیا کہ یہ کتنا بڑا معاہدہ ہے۔ یعنی آج سے پہلے میں اگر اللہ نافرمانی میں لگا

---

[1] قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ : الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ : الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ : مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ، قَالَ: مَجَّدَنِي عَبْدِي، وَقَالَ: مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ : إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، قَالَ: هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ : اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ، قَالَ: هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ فاتحہ الکتاب، ص،203، دار احیاء التراث)

ہوا تھا تو آج میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اب صرف تیری ہی بندگی کروں گا اور اگر آج سے پہلے میں مشکل میں کسی اور سے مدد مانگتا تھا اور کسی اور کی مدد چاہتا تھا تو آج میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ میں اللہ ہی کو پکاروں گا۔

ادھر امام یہ تشریح بیان کر رہے تھے اور یہاں میرے ذہن میں ایک کشاکش جاری تھی۔ کیا آج ہی مجھے فیصلہ کر لینا چاہیئے؟ کیا آج ہی یہ معاہدہ کر لینا چاہیئے؟ کیا یہ کچھ جلدی نہیں ہو رہا؟ ابھی تو میں نے نوکری تلاش کرنی ہے، شادی کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ خیر جو بھی تھا شاید اس وقت اسلامک سینٹر میں ایسا روح پرور ماحول بن چکا تھا کہ دل سے یہی آواز آ رہی تھی کہ آج ہی معاہدہ کرنا ہے۔

پھر امام نے ایک اور کام کیا کہ جب نماز کھڑی ہوئی اور انہوں نے سورۃ الفاتحہ کہ تلاوت کی ہر مقام پر کچھ دیر ٹھہر کر وہ آگے بڑھے۔

'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'---'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'---' مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ' ----' إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'----------

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پر وہ کافی دیر تک ٹھہرے رہے۔ اس دوران دل سے شاید کوئی صدا بلند ہو گئی جسے اللہ نے قبول کر لیا۔ اللہ تعالی ان امام صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس روز ایسا لگا کہ شاید پہلی دفعہ صحیح معنوں میں کوئی نماز ادا کی۔

خیر اس واقعے کے بعد پھر پے در پے ایسے واقعات رونما ہونا شروع ہو گئے جس سے یہ محسوس ہونے لگا گیا تھا کہ کچھ اللہ نے کچھ ہدایت کا بندوبست کر دیا ہے۔ عبادت میں لطف آنے لگا تھا اور نیکی کی طرف رغبت بڑھ گئی تھی۔ اس واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد ایسا ہوا کہ جس طلباء کی رہائش گاہ میں میں رہتا تھا وہاں میرے ہمسائے نے جس کا تعلق مالائشیا سے تھا مجھے بتایا کہ اس کی تعلیم یونیورسٹی میں ختم ہو چکی ہے اس لیے وہ اب ملک واپس جا رہا ہے اس لیے اگر کوئی اور طالب علم اس رہائش میں دلچسپی رکھتا ہو تو یہ جگہ اگلے مہینے سے خالی ہو گی۔ انہی دنوں میں ایک جمعے کی نماز کے بعد میں اسلامک سینٹر میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے ساتھ ایک پاکستانی طالب علم بھی اتفاقاً نماز ختم کر کے فارغ ہوا اور مجھ سے تعارف کے بعد بولا 'میں جس رہائش گاہ میں رہ رہا تھا اس کا contract اس مہینے ختم ہو جائے گا کیا آپ کی نظر میں کوئی مناسب رہائش گاہ خالی ہے؟'۔ میں نے فوراً اسے بتا دیا کہ ہاں ایک کمرہ اس طرح سے اگلے مہینے سے کرائے کے لیے موجود ہے۔ اس طرح جمعے کے بعد وہ میرے ساتھ رہائش گاہ گیا اور کمرا دیکھ کر اس نے مالک سے contract پر دستخط کر دیے۔ اس سارے کام میں میں نے اس کی جو مدد ہو سکتی کی۔ یہ طالب علم ایک باشرع شخص تھا اور یونیورسٹی آف برسٹل میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پاکستان میں ایک تنظیم 'تنظیم اسلامی' کا رفیق تھا اور ڈاکٹر اسرارؒ کے شاگردوں میں سے تھا۔ میں اس وقت تک ڈاکٹر اسرارؒ اور ان کی تنظیم سے ناآشنا تھا۔ لیکن جب وہ میرے ساتھ والے کمرے میں آ گیا تو اکثر اس سے دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی۔ اکثر وہ ڈاکٹر اسرارؒ کا کوئی لیکچر لگا دیتا اور اس پر بعد میں ہماری بحث ہوتی رہتی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مجھے ڈاکٹر اسرارؒ کے لیکچرز سے محبت ہو گئی۔ دن رات ان کو سننا شروع کر دیا۔ میں

نے اس سے پہلے اس طرح کے لیکچرز نہیں سنے تھے۔ ان کا دورہ قرآن، دینی فکر سے متعلق لیکچرز اور بالخصوص آخر زماں پر ان کے خطبات نے وہ علمی پیاس بجھانے کا سامان فراہم کیا جس کی تشنگی کچھ عرصے سے محسوس ہو رہی تھی۔

2005 کے رمضان میں جب پاکستان آنا ہوا تو اسلام آباد میں تنظیم اسلامی کے تحت منعقد ہونے والے دورہ ترجمہ قرآن میں بھی شرکت کا موقع ملا جس نے تمام شبہات ہی دور کر کے رکھ دیے۔ اس کے بعد میں واپس انگلستان گیا اور تقریباً ایک سال وہیں پر کام کیا۔ لیکن یہ ایک سال بہت ہی بوجھل انداز میں گزارا۔ اب جو ہدایت اللہ نے عطا کر دی تھی اس کے بعد اس معاشرے میں رہتے ہوئے گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ جب 2006 رمضان آیا تو سابقہ سال قرآن کے ساتھ گزاری گئی یادگار راتوں کی یاد ستانے لگی۔ اس لیے پھر فیصلہ کیا کہ اس بار بھی رمضان دورہ ترجمہ قرآن کے ساتھ ہی گزارنا ہے۔ چنانچہ پاکستان کی ٹکٹ کرائی لیکن اس بار یک طرفہ ٹکٹ کرائی اور یہاں دوستوں کو بتا دیا کہ اگر میں واپس نہ آیا تو سامان بھجوا دینا۔ رمضان 2006 میں ایک دفعہ پھر قرآن کو سمجھنے کے بعد مزید انشراح صدر حاصل ہو گیا کہ ڈاکٹر اسرارؒ ایک عالم برحق ہیں اور وہ جو قرآن کے طے کردہ مشن کو لے کر چل رہے ہیں اس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد 2018 میں تنظیم سے ہی وابستہ رہا اور جو کچھ دینی علم سیکھا اس کا بڑا حصہ اولاً ڈاکٹر اسرارؒ (جو 2010 میں رحلت فرما گئے تھے) اور ثانیاً اسی پلیٹ فارم کے مرہون منت سیکھا۔ اس کے علاوہ اس دوران بہت کچھ اور بھی زیر مطالعہ رہا لیکن جن شخصیات کے افکار نے قلب و ذہن پر گہرے نقوش چھوڑے ان میں متاخرین و متقدمین میں:

امام طبری، امام ابن تیمیہ، امام ابن کثیر، امام ابن خلدون، امام قرطبی، امام ذہبی، امام شاہ ولی اللہ دہلوی اور محمد بن عبد الوہاب رحم اللہ علیہم

اور دور حاضر میں:

مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید مودودی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا امین احسن اصلاحی، علامہ اقبال، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابو الحسن علی ندوی، علامہ ابو بکر الجابر الجزائیری، علامہ یوسف قرضاوی، سید قطب اور محمد قطب رحم اللہ علیہم سر فہرست ہیں۔

2018 میں فکری اور انتظامی نوعیت کے اختلافات کی بنا پر تنظیم کو خیر باد کہا اور کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر غلبہ دین کے عظیم مقصد کے حصول کی خاطر اگست 2021 میں دی ریوائیول انسٹیچیوٹ اور دی ریوائیول میڈیا قائم کیا جو بعد میں مارچ ۲۰۲۳ میں دی ریوائیول ادارے کی شکل اختیار کر گیا۔ تنظیم اسلامی کی رفاقت کے زمانے ہی میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قرآن مجید جس عظیم جدوجہد کی طرف بلاتا ہے آج کے مسلمانوں کے کمزور دل اس کا بار اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے۔ چنانچہ یہ کوشش شروع کی کہ ایمانیات پر ایک جامع کورس مرتب کیا جائے تاکہ اس سے پہلے کہ مطالبات دین لوگوں کے سامنے رکھے جائیں ضروری ہے کہ ایمانیات سے متعلق ان کے تصورات کی تطہیر کی جا سکے تاکہ ان کے دل اس بار عظیم کو اٹھانے کے متحمل ہو سکیں۔ چنانچہ اس ضمن میں دو ماڈیولز پر مشتمل ایک کورس ترتیب دیا۔ پہلے ماڈیول میں ایمانیات کا احاطہ کیا گیا اور دوسرے ماڈیول میں مطالبات دین اور

منہج سے متعلق تصورات کا احاطہ کیا گیا۔ اس ضمن موجود مواد کو مرتب کر کے ایک کورس کی شکل 2011 میں ہی دے دی گئی تھی۔ بعد ازاں جیسے جیسے اس کو پیش کیا جاتا رہا اس میں کچھ اضافہ بھی ہوتا رہا۔ پھر جب اس کورس کو آن لائن پڑھانا شروع کیا تو اس کو مزید منظم کرنے کا موقع ملا اور اس طرح موضوعات کو تصورات (Concepts) میں بھی تقسیم کر دیا گیا تاکہ ثقیل موضوعات کی تفہیم میں آسانی ہو سکے۔

2023 میں جب دی ریوائیول کی بنیاد رکھی گئی تو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ادارے کے بنیادی نظریات کو کتابچوں کی شکل میں مرتب کر لیا جائے تاکہ اس سے منسلک ہونے والے ممبران کی تربیت کے لیے انہیں استعمال کیا جا سکے۔ یہ اس سلسلے کا پہلا کتابچہ ہے جبکہ دوسرا کتابچہ فرائض و منہج کے نام سے علیحدہ سے مرتب شدہ ہے۔ اس طرح ان دو کتابچوں میں دی ریوائول کے تمام افکار و نظریات کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ اس کتابچے کی تصنیف میں ان تمام مجددین، علماء اور داعیان دین کے افکار سے استفادہ کیا گیا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتابچہ قراء کے ایمانیات سے متعلق شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گا اور اس کے ذریعے انہیں شعوری ایمان حاصل کرنے میں مدد ملے گی اور نتیجتاً اس کے ذریعے ان کے کردار اور عمل پر ایک گہرا اثر پڑے گا۔

مدثر رشید

پریزیڈینٹ اور بورڈ ممبر

دی ریوائول

حقیقت ایمان

تعارف

آج جس دور میں ہم بس رہے ہیں یہ امت مسلمہ کے زوال کی انتہا کا دور ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مظہر ۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کی وحدت کے آخری نشان خلافت عثمانیہ کا خاتمہ تھا۔ ۱۹ویں صدی میں پوری امت مسلمہ براہ راست کولونیل پاورز (Colonial Powers) کی غلامی میں چلی گئی تھی۔ بعد ازاں دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں یہ کولونیئل پاورز کچھ کمزور ہوئیں تو مسلمان علاقوں کو جدوجہد کے نتیجے میں کچھ آزادیاں نصیب ہوئیں لیکن ذہنی غلامی تا حال برقرار ہے۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ غلام قوم کے نظریات خالص نہیں رہتے، یہ وہی سوچتی ہیں جو آقا قومیں ان کو سوچنے پر مجبور کر دیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

تھا جو نہ خوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ یہ مستشرقین (Orientalists) (یہ غیر مسلم سکالرز تھے جنہوں نے باقاعدہ اسلام کا علم حاصل کر کے اس میں کجی ڈالنے کی کوشش کی) تھے جنہوں نے ایک سازش کے تحت دینی تصورات بالخصوص جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق بہت سے اشکال پیدا کر دیے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دین اسلام کا ہر تصور آج مسخ شدہ ہے۔

چنانچہ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اسلام کے تمام تصورات کے اندر پیدا ہونے والی اس کجی کو سمجھا جائے تا کہ اس کا اصل مفہوم واضح ہو سکے۔ دینی تصورات میں سب سے بنیادی تصور کیونکہ 'ایمان' ہے جس کی بنیاد پر دین کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اسی میں موجود ٹیڑھ اور کجی کو دور کر کے اس کے اصل مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

آج دنیا میں بسنے والے اکثر مسلمان محض اسی لیے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہو گئے۔ یہ ایمان جو ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ حاصل ہے اسے غیر شعوری یا غیر عقلی ایمان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس ایمان کی بنیاد اصل وہ عہد الست تھا جو تمام ارواحِ آدم نے کیا تھا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ ﴿۱۷۲﴾ [اعراف]

اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے)۔ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔

یہ اسی عہد کی وجہ سے ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان میں خدا کا شعور موجود ہے۔ نیز یہ اسی عہد کی بنا پر ہے کہ ہر انسان کی فطرت اللہ اور اس کے سچے دین کی طرف مائل ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ شے جس کی بنا پر ہم دین فطرت اور اس کے اجزاء کی حقانیت محسوس (Feel) کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایمان سے متعلق تصورات کے بارے میں اگر ہماری فطرت یہ محسوس کرتی ہے کہ یہ برحق ہیں تو اسے غیر شعوری ایمان کہا جا سکتا ہے۔ اس کی تعریف مندرجہ ذیل ہے:

تصور 1: شعوری اور غیر شعوری ایمان

1. غیر شعوری ایمان کی تعریف

'وہ ایمان جس میں غیبی حقائق کی حقانیت کو محض دل کی گواہی کی بناء پر محسوس کیا جا سکے'

اس قسم کے ایمان کے حصول کے ذرائع دو ہی مانے جاتے ہیں[2]:

- صحبت صالحین [توبہ، ۱۱۹]
- کثرت اعمال واذکار [حجرات، ۱۴]

موجودہ دور کا المیہ یہ ہے کہ کام کے اوقات اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ ان دونوں ذرائع سے غیر شعوری طور پر ایمان حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔ اعمال کا دارومدار چونکہ ایمان پر ہے اس لیے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے آج مسلم امہ کا کردار (Character) بحیثیت مجموعی گر چکا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور مسئلہ یہ پیدا ہوا ہے کہ غیر شعوری ذرائع کے استعمال سے جب بلند کردار کے لیے درکار ایمان کی مطلوبہ سطح حاصل نہیں ہو پائی تو مطلوبہ کردار کی سطح کو ہی گرا کر اس بات پر اکتفا کر لیا گیا ہے کہ چلو اس دور میں اتنا بھی کافی ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے کیونکہ جس قوم کے معیارات (Standards) ہی پست ہو جائیں تو پھر اس قوم کو ایک بیماری لگ جاتی ہے جسے قحط الرجال کہتے ہیں۔ اس قوم میں عظیم لیڈرز پیدا ہونے بند ہو جاتے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ اگر قوم کی مائیں، اس کے استاد، اس کے باپ، اس کے مذہبی پیشوا سب ان عظیم معیارات کو برقرار رکھیں تو عظیم لوگ پیدا ہو ہی جاتے ہیں لیکن اگر قوم کی مائیں، اس کے استاد، اسکے باپ اور مذہبی پیشوا ان معیارات کو ہی پست کر دیں تو عظیم لیڈر پیدا ہونے کا امکان ختم ہو جائے گا۔

پھر اس قسم کے ایمان کا ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ اس کی سطح (Level) برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ کبھی نیک لوگوں کی صحبت مل گئی تو ایمان بڑھ گیا اور جیسے ہی صحبت سے نکلے تو ایمان گھٹ گیا۔ اسی طرح کبھی اللہ کو یاد کرنے کا موقع مل گیا تو ایمان بڑھ گیا اور جیسے ہی دنیا میں مگن ہوئے ایمان گھٹ گیا۔

اس کے برعکس ایک ایسا ایمان بھی ہوتا ہے جس میں دل سے ایمانیات کے تصورات کی حقانیت کا احساس ہونے کے ساتھ ساتھ عقل بھی مطمئن ہوتی ہے۔ اس قسم کے ایمان کو شعوری ایمان کہا جا سکتا ہے۔

---

[2] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ(۱۱۹) [توبہ]

اے اہل ایمان! خدا سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ(۱۴) [حجرات]

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

2. شعوری ایمان کی تعریف

'وہ ایمان جس میں غیبی حقائق کی حقانیت دل سے محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ عقل سے سمجھی بھی جا سکے۔'

اس قسم کے ایمان کی طرف دعوت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) [آل عمران]

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔

ان آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک مضبوط ایمان حاصل کرنے کے لیے تخلیق و نظم کائنات پر غور بھی کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کو یاد بھی کرنا ہے۔ تفکر و تدبر سے عقل مطمئن ہو گی اور اللہ کو یاد کرنے سے روح تقویت پکڑے گی اور جس کی وجہ سے پھر دین فطرت کی حقانیت کا احساس مضبوط تر ہو جائے گا۔

3. شعوری اور غیر شعوری ایمان کے فوائد و نقصانات

a) غیر شعوری ایمان کے فوائد

اس قسم کے ایمان کا ایک ہی بڑا فائدہ نظر آتا ہے کہ اس میں تفکر و تدبر کی ضرورت نہیں اس لیے ہر خاص و عام اس کو اچھی صحبت اختیار کر کے اور اللہ کو یاد کر کے حاصل کر سکتا ہے۔

b) غیر شعوری ایمان کے نقصانات

۱۔ ایک سطح بر قرار رکھنا آسان نہیں۔ جب صحبت میسر آگئی یا اعمال کرنے شروع کیے ایمان بڑھ گیا ورنہ کم ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت حنزلہؓ کو ایمان کی کمی محسوس ہوئی تھی جب آپؓ رسول اکرم ﷺ کی محفل سے دور ہوئے تھے۔ [مسلم بروایت حنزلہؓ]

۲۔ اس قسم کے ایمان پر اکتفا کرنے والے شخص میں فتنوں کو سمجھنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سورۃ کہف آیت ۱۵ میں وہ وجہ واضح ہو جاتی ہے جس بنا پر اصحاب کہف گمراہ ہونے سے بچ گئے تھے۔

هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (۱۵) [کهف]

ان ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ بھلا یہ ان (کے خدا ہونے) پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے۔ تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے۔

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ اصحاب کہف اگر عقل کو استعمال نہ کرتے تو وہ بھی قوم کی تقلید میں شرک میں ہی مبتلا ہوتے۔
اسی طرح موسیٰ اور فرعون کے واقعے میں جب موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے لاٹھی پھینکی اور وہ اژدھا کی شکل اختیار کر گئی اور مقابلے میں جادوگروں کا بنایا ہوا طلسم ٹوٹ گیا تو وہ سجدے میں گر گئے اور ایسے پکے مسلمان ہوئے کہ فرعون کی سخت دھمکی کے باوجود حق پر ڈٹے رہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۤءَتْنَا ۗ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا
مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾ [اعراف]

(اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کرکے) نگل جائے گی۔ (پھر) تو حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے، باطل ہوگیا۔ اور وہ مغلوب ہوگئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے۔ یعنی موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔ فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کرلوگے۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوادوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہم پر صبر واستقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (ماریو تو) مسلمان ہی ماریو۔

۳۔ آج کے سائنسی دور میں بسنے والے پڑھے لکھے انسانوں کو جنہوں نے بقول اقبال سوچنے کی نئی عادات 'Habits of Thought' اپنالی ہیں یقین سے روشناس کرانا غیر شعوری ذریعے سے ممکن نہیں رہا۔ کیونکہ آج کا انسان اب بغیر عقلی دلیل کے حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہو چکا ہے۔

c) شعوری ایمان کے فوائد

۱۔ اس قسم کے ایمان کا حامل شخص کیونکہ محض روحانی تجربات اور احساسات کی بنا پر حقیقت کو قبول نہیں کرتا بلکہ عقل کی کسوٹی پر بھی ان احساسات ومشاہدات کو پرکھتا ہے اس لیے اس میں فتنوں سے بچاؤ کی استطاعت موجود ہوتی ہے۔

۲۔ اس قسم کے ایمان کی سطح قدرے برقرار رہتی ہے۔

۳۔ اللہ کے نزدیک سمجھ دار لوگوں کا ایمان زیادہ مستحسن ہے۔ اللہ تعالی نے بارہا قرآن میں سوچ کر حق قبول کرنے کی تلقین کی ہے۔

۴۔ آج کے دور میں عظیم دینی فرائض میں حائل رکاوٹوں کو عبور کرنے کی استطاعت بھی اسی میں پیدا ہوسکتی ہے جو شعوری ایمان کا حامل ہو۔ اللہ تعالی سورۃ آل عمران میں ایسے مومنین کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا
وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ [آل عمران]

تو ان کے پرردگار نے ان کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا تم ایک دوسرے کی جنس ہو تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے میں ان کے گناہ دور کردوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (یہ) خدا کے ہاں سے بدلہ ہے اور خدا کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

۵۔اس قسم کے ایمان کا انسان کے عمل و کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے (جیسا کہ جادوگر اس بنا پر فرعون کے سامنے بھی ڈٹ گئے تھے جیسا کہ اوپر تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔

d) شعوری ایمان کے نقصانات

اس قسم کے ایمان کا صرف ایک ہی نقصان سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے حصول کے لیے سوچنا پڑتا ہے اور سوچنے میں محنت لگتی ہے جو زیادہ تر لوگ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

تصور2: ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

4. ایمان کا لغوی مفہوم

عربی میں لفظ ایمان کا سہ حرفی مادہ (Root Word) 'ا م ن' ہے۔ جس کا مفہوم امن، اطمنان یا سکون ہے۔ لیکن ایمان کی اصطلاح کے لیے جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ 'ا م ن' ہے جو اسی بنیادی مادے سے ہی سے نکلا ہے۔ اس کے معنی مان لینے کے ہیں۔ عام طور پر یہ لفظ 'لِ' یا 'بِ' کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ تشکیل پائے گئے لفظ میں بنیادی مادے کا مفہوم بھی موجود رہتا ہے چنانچہ 'اٰمَنَ' کے معنی ہونگے اس طرح مان لینا کہ اطمنان ہو جائے یا دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح مان لینا کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔

اگر آپ غور کریں تو یہ مفہوم انگلش میں ایمان کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ 'Faith' یا 'Belief' کا مفہوم سے بالکل مختلف ہے۔ ان دونوں الفاظ کا مفہوم جیسا کہ آکسفورڈ ڈکشنری میں آیا ہے مندرجہ ذیل ہے:

Faith: Strong belief in the doctrines of a religion, based on spiritual conviction rather than proof.

Belief: An acceptance that something exists or is true, especially one without proof.

یہ واضح دیکھا جا سکتا ہے کہ 'Faith/Belief' جیسے انگلش الفاظ لفظِ ایمان کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ ان کا مفہوم بالکل برعکس ہے۔ ایمان کا مطلب کسی شک کے بغیر ماننے کا ہے جبکہ 'Faith/ Belief' کا مطلب شک کے ساتھ کسی حقیقت کو کسی عقلی دلیل کے بغیر محض روحانی تجربے کی بنا پر مان لینا ہے۔ چنانچہ ہمیں اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے یہ احتیاط رکھنی چاہیئے کہ اصطلاحات اپنا ایک پسمنظر رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ خاص مفاہیم متصل ہوتے ہیں جن کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ 'Faith' اور 'Belief' انگریزی زبان کے الفاظ ہیں اور ان کا پسمنظر عیسائیت اور یہودیت کی مخصوص تاریخ سے ہے اس لیے ان اصطلاحات کو ایمان کے لیے استعمال کرنے سے ایمان کے صحیح مفہوم میں کجی پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

5. ایمان کا اصطلاحی مفہوم

دین اسلام میں اصطلاحِ ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ مندرجہ ذیل چھے حقائق کو بغیر کسی شک کے مان لینا۔ جبکہ انگریزی میں اگر اس کو بیان کرنا مطلوب ہو تو یہ کہنا مناسب ہو گا:

'To accept the following unseen realities without any doubt'

- ایمان باللہ
- ایمان بالآخرت
- ایمان بالکتب
- ایمان بالرسالت
- ایمان بالقدر
- ایمان بالملائکہ

تصور 3: ایمانیات کی تفہیم میں رکاوٹ: چند غلط تصورات

6. ایمان سے متعلق مغالطے

جیسا کہ بیان ہوا آج ہمارے دین کے تصورات میں کجی اور ٹیڑھ پیدا ہو چکی ہے اس لیے یہ اپنا اثر کھو چکے ہیں۔ ان میں ایمان سے متعلق تصورات بھی شامل ہیں۔ اس ضمن میں دو ایسے بڑے مغالطے ہیں جن کی وجہ سے ایمان سے متعلق تصورات کی صحیح تفہیم آج مشکل ہو چکی ہے۔ ذیل میں ان دونوں کو دور کیا گیا ہے۔

a) پہلا مغالطہ: ایمان کا مطلب یہی ہے کہ کسی مذہب کے نظریات کو بغیر کسی دلیل کے مانا جائے

یہ مغالطہ شائد غیر مسلم مستشرقین (Orientalists) کے ذریعے اسلام میں داخل ہو گیا۔ جہاں تک عیسائیت اور دیگر مذاہب کا تعلق ہے تو ان کے لیے تو واقعی عقل کے بغیر اندھا بہرا ایمان لانا ضروری ہے اور یہی تصور شاید ان مستشرقین کی نگاہوں میں تھا کہ انہوں نے اس کو بنیاد بنا کر اسلام سے یہ تصور منسوب کر دیا، جو رفتہ رفتہ امت مسلمہ کی غلامی کے باعث ذرائع ابلاغ کے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اذہان میں راسخ کر دیا گیا۔

لیکن اسلام کا معاملہ دیگر مذاہب سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خود کفار سے دلیل پیش کرنے کا چیلنج کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام کی بنیاد عقلی طور پر ثابت شدہ نہ ہو۔

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۱۱) [بقرۃ]

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے باطل خیالات ہیں۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ (۲۴) [انبیاء]

کیا لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود بنا لیے ہیں۔ کہہ دو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ (میری اور) میرے ساتھ والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے (پیغمبر) ہوئے ہیں۔ ان کی کتابیں بھی ہیں۔ بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (۱۱۷) [مومنون]

اور جو شخص خدا کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے، جس کی اس کے پاس کچھ بھی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ [یونس، ۹۹تا۱۰۰]

تو کیا آپؐ مجبور کریں گے لوگوں کو یہاں تک کہ وہ ہو جائیں مومن۔ اور نہیں ممکن کسی فرد کے لیے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ ڈالتا ہے (کفر کی) نجاست اُن پر جو غور نہیں کرتے۔

b) دوسرا مغالطہ: ہر وہ شے جس کا وجود حواس خمسہ سے جانا جا سکے وہی حقیقت ہے

یہ تصور بھی درست نہیں ہے۔ کائنات میں ایسی بہت سی چیزیں آج دریافت ہو گئی ہیں جن کو حواس خمسہ سے جانا نہیں جا سکتا مگر اس کے باوجود نا صرف ان کے وجود کو ہم تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کو استعمال میں بھی لاتے ہیں۔ کشش ثقل (Gravitational Force) کو ہی لے لیجیے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ اگر وہ اونچائی سے چھلانگ لگائے تو اس قوت کی وجہ سے لازماً زمین کی طرف ہی گرے گا۔ لیکن اس کو براہ راست دیکھا، سنا، سونگھا، چکھا یا محسوس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بجلی (Electricity) اور الیکٹرومیگنیٹک لہریں (Electromagnetic Waves) جن کو ہم استعمال کرتے ہیں کو براہ راست حواس خمسہ سے جانا نہیں جا سکتا بلکہ ان کے اثرات سے ان کو جانا جاتا ہے۔ بجلی ویسے تو اندیکھے اجزا پر ہی مشتمل ہے پر جب اس کا اثر کسی بلب یا برقی آلے (electronic instrument) پر پڑتا ہے تو اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح موبائل فون پر ملنے والی الیکٹرومیگنیٹک لہریں (Electromagnetic Waves) نظر تو نہیں آتیں پر ان کے اثرات کو ماپنے والا آلہ جو ہمارے موبائل فون پر نصب ہوتا ہے ان کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔ اسی طرح معاملہ بلیک ہولز (Black Holes) اور اینٹی میٹر (Anti-Matter) کا ہے جن کے وجود کا ادراک ان کے ثقلی اثرات (Gravitational Impacts) سے کیا جا سکتا ہے۔

یہی معاملہ ایمانیات کے حقائق کا ہے۔ ان کو بھی حواس خمسہ سے براہ راست جانا نہیں جا سکتا پر ان کے اثرات سے ان کے وجود کا ادراک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انہیں اثرات کو اسلام میں 'آیات' کہا جاتا ہے جن پر غور و فکر کرنے کی دعوت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔

ایمان باللہ

تصور4: اللہ کے وجود اور اس کی واحدانیت پر مبرہن دلائل

تصور ایمان کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم سب سے بڑی حقیقت اللہ تعالی پر اپنے ایمان کو درست کریں۔ ایسا ہم مندرجہ ذیل تین مراحل میں کر سکتے ہیں:

1. پہلا مرحلہ: خدا کے وجود کا ثبوت

اس ضمن میں عہد الست کی وجہ سے ہر شخص کے اندر اللہ تعالیٰ کا شعور تو موجود ہے اور دل اس بات کی گواہی بھی کسی نہ کسی صورت میں دیتا ہے لیکن اس ضمن میں کیا عقل بھی تصدیق کر سکتی ہے یا نہیں، اس سوال کو ہم ذیل میں تفصیلاً زیر بحث لاتے ہیں:

a) تخلیق کائنات سے استدلال

اس قسم کے استدلال کو فلسفے کی اصطلاح میں کلام کاسمولوجیکل آرگیومنٹ (Kalam Cosmological Argument) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ استدلال اس طرح ہے کہ:

حقائق:

1. ہر وہ شے جو کسی خاص وقت کے بعد وجود میں آئے مخلوق ہوتی ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہوتا ہے
2. آج جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے یہ جان لیا گیا ہے کہ کائنات بھی ایک خاص وقت سے پہلے موجود نہیں تھی اور یہ ایک بہت بڑے دھماکے "بگ بینگ" سے وجود میں آئی

نتیجہ:

1. چنانچہ ثابت ہوا کہ کائنات اور اس میں موجود ہر شے کا بھی کوئی خالق ہے۔
2. نیز چونکہ تخلیق کوئی باشعور ہستی ہی کر سکتی ہے اس لیے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ خالق ایک باشعور ہستی ہے کوئی بے جان طاقت یا شے نہیں ہے۔

اس ضمن میں قرآن میں بھی کئی دلائل پیش کیے گئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَآبَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ(4)وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ(5)تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ⑥

(الجاثیہ۔45: 4تا6)

"اور خود تمہاری پیدائش میں اور اور جانوروں کی پیدائش میں جنہیں وہ پھیلا تا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالے آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (اب) یہ ہیں اللہ کی آیات جنہیں ہم آپ کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے آجانے کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔"

ان آیت آفاقیہ کو ایک منفرد اور نہایت خوبصورت انداز میں اللہ نے سورۃ واقعہ میں یوں بیان فرمایا:

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ (57) أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ (58) أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (59) (الواقعہ: 57 تا 59)

"ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے تو کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ اچھا پھر یہ تو بتاؤ جو گندے پانی کا قطرہ تم ٹپکاتے ہو۔ کیا اس کا انسان تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہی ہیں؟"

اسی طرح اسی سورۃ میں آگے فرمایا:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ (63) ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (64) (الواقعہ: 63 تا 64)

اچھا پھر یہ تو بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو۔ اسے تم ہی اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں؟

چنانچہ کائنات میں چار سو پھیلی ہوئی مخلوقات اور خود کائنات کے وجود میں آنے کے عمل کو جاننے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی خالق ہے اور وہی خدا ہے۔ اس قسم کے استدلال پر اکثر ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ: جب ہر شے کا کوئی نہ کوئی خالق ہے تو پھر خدا کا خالق کون ہے؟

اس پیچیدہ سوال کا جواب دراصل ایک اور سوال ہے کہ اگر خدا کا کوئی خالق ہے تو پھر خدا کے خالق کا خالق کون ہے؟ اسی طرح یہ سوال بھی بنتا ہے کہ خدا کے خالق کے خالق کا خالق کون ہے؟ غرضیکہ چاہے جتنی بار بھی یہ سول پوچھا جائے ایک بات تو طے پا جاتی ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو پہلا خالق تو ضرور موجود ہو گا کیونکہ اگر وہ نہیں تو کچھ بھی موجود نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کائنات بلاشبہ موجود ہے چنانچہ اس کا کوئی نہ کوئی پہلا خالق ضرور موجود ہے اور وہی خدا کہلانے کا حقدار ہے۔ جیسا کہ اگر دھاگے کا ایک سرا ہاتھ میں ہو اور دوسرا گنجل میں گم ہو تو اس دوسرے سرے کا نکار نہیں کیا جا سکتا ورنہ تو اس دھاگے کا ہی انکار کرنا پڑے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ [حدید:۳]

وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی، اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے

b) نظم کائنات سے استدلال

اس قسم کے استدلال کو ٹیلیولاجیکل آرگیومنٹ (Teleological Argument) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ استدلال اس طرح ہے کہ:

حقائق:

1. کسی بھی مقام پر نظم بغیر کسی ناظم کے نہیں پایا جا سکتا
2. کائنات میں بہت باریک نظم موجود ہے

نتیجہ:

1. چنانچہ ثابت ہوا کہ کائنات کا خالق اور اس کے نظام کو چلانا والا ناظم بھی موجود ہے۔
2. نیز نظم کوئی باشعور ہستی ہی قائم کر سکتی ہے اس لیے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ کائنات کا ناظم ایک باشعور ہستی ہے کوئی بے جان طاقت یا شے نہیں۔

2. دوسرا مرحلہ: خدا کی وحدانیت کا ثبوت

آیاتِ آفاقیہ کے ذریعے یہ تو جانا جا سکتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی موجود ہے جو اس کائنات کی خالق اور اس کی ناظم ہے پر یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ ایک ہی ہے؟ اس ضمن میں نظم کائنات ہماری ایک دفع پھر راہنمائی کرتا ہے۔

کائنات میں موجود نظم اس پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس کائنات کا خالق اور اس کو چلانے والا ایک ہی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایک سے زائد ہوتے تو یہ نظم برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اس ضمن میں قرآن میں اللہ تعالی نے مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ [الانبیاء:۲۲]

اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دُوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا پس پاک ہے اللہ ربّ العرش اُن باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔

قُل لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۔ [بنی اسرائیل:۴۲]

اے محمدؐ، ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے خدا بھی ہوتے، جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ کائنات میں موجود نظم اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ایک ہی خدا کی بادشاہت ہے۔

3. تیسرا مرحلہ: خدا کی شناخت کا ثبوت

آیاتِ آفاقیہ پر غور کرنے کے نتیجے میں یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ایک باشعور ہستی موجود ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا اور وہی اس کے نظم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ آج کائنات کے حوالے سے جتنے حقائق ہمارے پاس آ چکے ہیں ان کے بعد تو اس حقیقت کا انکار کرنا اب ممکن نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کا انکار کرنے والوں (Atheists) کو بھی آج believer کہا جا رہا ہے۔ اصل مسئلہ پھر کیا رہ گیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ہم آئنسٹائن کے ایک انٹرویو کا اقتباس یہاں نکل کرتے ہیں۔ آئنسٹائن سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ وہ atheist (دہریہ) ہیں یا pantheist (ہمہ اوستی) تو اس پر انہوں نے یہ جواب دیا تھا:

Your question is the most difficult in the world. It is not a question I can answer simply with yes or no. I am not an Atheist. I do not know if I can define myself as a Pantheist. The problem involved is too vast for our limited minds. May I not reply with a parable? The human mind, no matter how highly trained, cannot grasp the universe. We are in the position of a little child, entering a huge library whose walls are covered to the ceiling with books in many different tongues. **The child knows that someone must have written those books.**

It does not know who or how. It does not understand the languages in which they are written. The child notes a definite plan in the arrangement of the books, a mysterious order, which it does not comprehend, but only dimly suspects. That, it seems to me, is the attitude of the human mind, even the greatest and most cultured, toward God. We see a universe marvelously arranged, obeying certain laws, but we understand the laws only dimly. **Our limited minds cannot grasp the mysterious force that sways the constellations. [Interview published in 1930 in G. S. Viereck's book Glimpses of the Great]**

یہاں آئنسٹائن نے اصل مسئلے کی نشاندہی کر دی ہے کہ مسئلہ خدا کے وجود کا نہیں ہے اس کا تو انکار کرنا ممکن ہی نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون ہے 'Who is HE?'۔ وہ اللہ ہے، بھگوان ہے، جیہووا (Jehovah) ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں ایک اور اہم سوال کا بھی جواب فراہم کر دے گا کہ سچا دین کون سا ہے؟

اب سچا خدا تو وہی ہو سکتا ہے جو اپنے سچا ہونے کی دلیل فراہم کرے یا دوسرے لفظوں میں اپنی شناخت کے لیے کوئی نشانی دکھائے۔ اس ضمن میں مذاہب کی تاریخ دو بڑے دلائل کی نشاندہی کرتی ہے جن کی بنیاد پر سچا خدا اپنی شناخت کراتا رہا۔

تصور 7: اللہ تعالیٰ اور دین حق کی شناخت پر دوسری مبرہین دلیل (جو آج موجود نہیں)

a) پہلا آئی ڈی کارڈ (ID Card): انبیاء ورسل علیہم السلام کا صادق اور امین کردار

کتب سماویہ ہمیں بتاتی ہیں کہ وہ پہلی دلیل جسے سچے خدا نے ہمیشہ بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا رسولوں (علیہم السلام) کا بے داغ کردار تھا۔ ہر رسولؑ اسی قوم سے ہوتا تھا جس میں اس کو رسالت ملتی تھی تاکہ ہر خاص وعام اس کے صادق اور امین کردار پر شاہد ہو۔

اب جب وہی یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ ہی رب العالمین ہے، حساب کتاب، جنت اور دوزخ، ملائکہ، سابقہ انبیاء ورسل علیہم السلام، سابقہ آسمانی کتابیں سب برحق ہیں اور یہ سارا معاملہ میرا آنکھوں دیکھا ہے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کا معراج کی رات سے واپسی پر کفار کے مذاق اڑانے پر انہیں فرمایا تھا:

أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ [نجم، ١٢]

تم جھگڑتے ہو اس سے اس معاملے میں جو وہ دیکھ کر آیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی رسالت ملنے کے بعد کوہ صفا پر چڑھ کر جو سب سے پہلی دلیل قریش کے سامنے پیش کی یہی تھی۔ ابو بکر صدیقؓ نے معراج کے واقعے کے بعد لوگوں کے اعتراض پر یہی فرمایا تھا کہ اگر رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں اس طویل سفر سے واپس آگئے تو سچ فرمایا ہے کہ میں جب یہ مانتا ہوں کہ روزانہ ان کے پاس فرشتہ وحی لے کے آتا ہے تو اگر آج وہ خود اوپر چلے گئے تو اس کو ماننے میں کیا مشکل ہے۔

تو معلوم ہوا کہ ان انبیاء والرسل علیہم السلام کا صادق اور امین کردار اس ضمن میں ایک مبرہن دلیل ہوا کرتا تھا۔

تصور 5: معجزہِ قرآن اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی واحدانیت اور اس کی شناخت پر حتمی دلیل

b) دوسرا آئی ڈی کارڈ: معجزہ

یہ وہ آخری اور حتمی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے وجود اور اپنی شناخت کو واضح کرنے کے لیے اپنے رسولوںؑ کے ذریعے پیش کرتے رہے اور یہ دلیل ہمیشہ چیلنج کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔ اسی لیے اسے معجزہ کہا جاتا ہے کہ یہ مخالفین کو عاجز کر دیتا تھا۔ قرآن بھی اس پر گواہ ہے اس دلیل کے پیش کرنے کے بعد بھی اگر کوئی قوم نہیں مانتی تھی تو اسے برباد کر دیا جاتا تھا۔

اونٹنی کا معجزہ دکھانے کے بعد بھی جب صالحؑ کی قوم ایمان نہ لائی تو اسے تباہ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ (٢٩) فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ (٣٠) إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (٣١) [قمر]

تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کو پکڑ کر اس کی) ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔

اسی طرح موسیٰؑ کے ذریعے معجزات دکھانے کے بعد فرعون کو اس کی قوم سمیت غرق کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ (٤١) كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُقْتَدِرٍ (٤٢) [قمر]

اور قوم فرعون کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک قوی اور غالب شخص پکڑ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی اس سنت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تمام رسولوںؑ کو معجزات کے ساتھ بھیجا تا کہ اتمام حجت کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (٢١٣) [بقرة]

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تا کہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

چنانچہ اتمام حجت کے لیے رسولؑ، کتاب الٰہی اور معجزہ تینوں کا ہونا ضروری ہے [3]۔ لیکن رسول اکرم ﷺ تو آخری نبی تھے ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں پر یہ ذمہ داری کون ادا کرتا؟ پھر معجزہ اور کتاب دونوں کا تعلق بھی رسول سے ہی ہوتا تھا۔ عصا موسیٰؑ کے ہاتھ میں ہی اژدھا بنا اور کتاب تورات ان کی موجودگی میں ہی تحریف سے پاک رہی۔ اسی طرح معجزات عیسیٰؑ کے ہاتھ سے ہی سرزد ہوتے تھے اور کتاب انجیل بھی ان کی موجودگی میں ہی صحیح حالت میں رہی۔ تو اب قیامت تک آنے والے انسانوں پر اتمام حجت کیسے ہو؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین اہم فیصلے فرمائے:

1. **رسول ﷺ کے بعد کار رسالت کی ذمہ داری جو پہلے ایک شخص کے کاندھے پر ہوتی تھی ایک امت کو مجموعی طور پر دے دی جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت ۱۴۳ میں اللہ ارشاد فرماتے ہیں:**

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً -- [قرآن البقرۃ۲:۱۴۳]

اور اسی طرح تمھیں ہم نے ایک درمیانی امّت بنایا تا کہ تم گواہ ہو جاؤ پوری نوع انسانی پر اور رسول ﷺ گواہ ہو جائیں تم پر۔

2. **معجزہ اور کتاب کو یکجا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ آیات ۲۳ اور ۲۴ میں فرماتے ہیں:**

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾ [بقرۃ]

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں (یا گواہ ہوں) ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو، لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

3. **معجزہ اور کتاب کے اس مرکب کو محفوظ بھی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سورہ حجر میں فرماتے ہیں:**

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں (یا گواہ ہوں) ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو، لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

---

[3] یہ بات یاد رہے کہ یہاں بات اتمام حجت کی ہو رہی ہے یعنی حق کا اتنا واضح ہو جانا کہ اس کے انکار کی گنجائش نہ رہے۔ ورنہ ہر انسان عہد الاست کی بنا پر بھی اللہ کے سامنے عذر پیش کرنے کا حقدار نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ [اعراف]

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

اسی طرح ہر انسان اپنے اندر موجود نفس لوامہ کی بنا پر بھی اس ضمن میں جواب دہ ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿٧﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿٨﴾ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ﴿١٠﴾ [شمس]

قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی ۔ پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی ۔ جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا ۔ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ [حجر]

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

چنانچہ اب یہ امت بطور سول کے اور قرآن بطور ایک معجزہ اور ایک کتاب کے تا قیام قیامت موجود ہے اور ان تینوں کے ذریعے اتمام حجت کا پورا بندوبست اللہ نے کر دیا ہے۔

دلیل معجزہ ایک بہت اہم دلیل ہے اور اس پر قرآن میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس سے متعلق چند اہم مباحث ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ اس دلیل کو اچھی طرح سے سمجھا جا سکے۔

تصور6: معجزہ کی تعریف، دلیل معجزہ کی اہمیت، دلیل معجزہ پر اعتراضات کے جوابات، معجزات کی دو صورتیں

4. معجزے کی تعریف اسلاف کے اقوال کی روشنی میں

اسلام میں معجزہ کی تعریف کی ضمن میں علامہ سعد الدین تفتازانیؒ عقیدے کے حوالے سے اپنی مشہور تصنیف 'شرح عقائد نسفی' میں فرماتے ہیں:

المعجزة هی امر یظاهر بخلاف العادة علی ید مدعی النبوة عند تحدی المنکرین علی وجه یعجز المنکرین عن الاتیان بمثله۔

'معجزہ وہ امر ہے جو خلاف معمول اور عادت جاریہ کے خلاف مدعی نبوت کے ہاتھ پر بطور چیلنج ایسے وقت میں ظاہر ہو کہ جب وہ منکرین کو اس کی مثل لانے کا چیلنج دے اور وہ نہ لا سکیں یعنی اس سے عاجز آ جائیں۔' (شرح عقائد نسفی)

امام قسطلانیؒ جو خاتم المحدثین امام ابن حجر عسقلانیؒ کے معروف شاگرد ہیں اور شارح بخاری بھی ہیں اپنی مشہور تصنیف "المَوَاهِبُ اللَّدُنِّيه" کے باب معجزات میں پہلی فصل کے تحت معجزہ کی تعریف اور شرائط کے تحت رقمطراز ہیں:

'معجزہ ایک ایسا خلاف عادت کام ہوتا کہ جس کے ساتھ چیلنج متصل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والتسلیم کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔' (معجزہ کی تعریف اور شرائط، المواهب اللدنیہ)

اسی طرح امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی مشہور تصنیف 'الاتقان' میں فرماتے ہیں:

'معجزہ ایسے خارق عادات امر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دعوت مقابلہ بھی کی گئی ہو اور وہ معارضہ سے سالم رہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

چنانچہ سلف صالحین کے نزدیک معجزہ وہ خارق عادت یا مافوق الفطرت عمل ہے جو رسولؑ کی صداقت کی دلیل کے طور پر چیلنج کے ساتھ پیش کیا جائے۔ لیکن بعد میں نہ جانے کب معجزے کی اس تعریف میں تبدیلی واقع ہو گئی اور معجزہ محض ایک خارق عادت واقعہ بن کر رہ گیا۔ بہر حال مسلمانوں کے لیے وقوع معجزہ کو ممکن ثابت کرنے اور پھر اس کی تاریخی شہادت کو صحیح ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ مسلمانوں کے پاس تو قرآن کی صورت میں زندہ معجزہ موجود ہے جسے وہ ساری دنیا کے اہل علم و دانش کے سامنے پیش کر کے ان کو عاجز کر سکتے ہیں۔ اس کی ضرورت تو ان کو ہے جن کے پاس زندہ معجزہ موجود نہیں۔

معجزہ کو سمجھنے کی دو سطحیں:

سب سے پہلی بات جو معجزات سے متعلق ذہن نشین رہنی چاہیئے یہ ہے کہ جب بھی معجزہ پیش کیا جائے گا تو اس دلیل کے ادراک کی دو سطحیں ہیں:

1. **براہ راست(Direct):** یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اس علم میں مہارت رکھتے ہوں جس نوعیت کا معجزہ دکھایا گیا ہے۔ فرعون کے دربار میں جادوگروں نے اللہ کے معجزے کا براہِ راست مشاہدہ کیا۔ معجزے کو سمجھنے کی یہ بلند ترین سطح ہے اور یقیناً اس سے پیدا ہونے والا ایمان بھی بلند ترین سطح کا ہوگا۔
2. **بالواسطہ(Indirect):** یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اس علم میں مہارت نہ رکھتے ہوں جس نوعیت کا معجزہ پیش کیا گیا ہو۔ ان کے نزدیک اس معجزے کا پورا نہ ہو سکنا دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کے معجزہ کا ادراک براہ راست تو ان کو ہوگا جو عربی فصاحت وبلاغت کا علم جانتے ہیں۔ اور جو لوگ یہ علم نہیں جانتے تو وہ بالواسطہ اس کے معجزہ ہونے کا ادراک حاصل کریں گے۔

5. قرآن کے معجزہ ہونے کے ضمن میں چند دلچسپ واقعات

سبع معلقات عربی ادب میں قرآن کے بعد فصاحت وبلاغت میں سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ یہ دراصل دورِ جاہلیت کے چند بڑے شعراء کے فن پاروں کا ایک مجموعہ ہے۔ عربوں کے ہاں ان کی اتنی اہمیت تھی کہ ان کو خانہ کعبہ میں ریشمی کپڑوں پر لکھ کر لٹکایا گیا تھا۔ ان فصیح وبلیغ شعراء میں سے ایک حضرت لَبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے بعد 60سال زندہ رہے مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے صرف یہی ایک شعر کہا:

ماعاتب المرء الکریم کنفسه

والمرء یصلحه القرین الصالح

(شریف انسان کو اس کے نفس کی طرح کوئی عتاب نہیں کر سکتا اور انسان کا نیک ساتھی ہی اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔)

ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا: "اپنے اشعار میں سے مجھے بھی کچھ سناؤ۔" تو انہوں نے عرض کی: ماکنت لا قول شعر ابعد ان علمی اللّٰہ تعالی البقرۃ وال عمران یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جب سے سورہ بقرۃ اور سورہ ال عمران سکھا دی ہے میں کوئی شعر نہیں کہتا۔ [اسد الغابۃ، ج ۴، ص540]

اسی طرح ابوجہل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک رات کو چھپ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات سننے آیا، اسی طرح ابوسفیان ابن صخر اور اخنس بن شریق بھی۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ صبح تک تینوں چھپ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے رہے۔ دن کا اجالا ہونے لگا تو واپسی میں ایک سنگھم پر تینوں کی ملاقات ہوگئی۔ ہر ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم کیسے آئے تھے (جب بات کھلی) تو اب سب نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ہم کو قرآن سننے کیلئے نہیں آنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں دیکھ کر قریش کے نوجوان بھی آنے لگیں اور آزمائش میں پڑ جائیں۔ جب دوسری رات آئی تو ہر ایک نے یہی گمان کیا کہ وہ دونوں نہیں آئے ہوں گے چلو قرآن سن لیں۔ غرض یہ کہ صبح کے قریب تینوں کا سنگھم ہوا اور خلاف معاہدہ ہونے پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگا اور دوبارہ معاہدہ کر لیا کہ اب کے نہ جائیں گے (سبحان اللہ! قرآن اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (مبارک) سے، بھلا ان کو کب سونے دیتا تھا)۔ جب تیسری رات آئی تو پھر تینوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں گئے پھر صبح کے وقت معاہدہ کر لیا کہ آئندہ سے تو ہرگز نہیں آئیں گے۔ اب اخنس بن شریق، ابوسفیان بن حرب کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابوخنظلہ! تمہاری کیا رائے ہے؟ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرآن سنا، اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوثعلبہ! اللہ کی قسم میں نے جو باتیں سنی ہیں، ان کو خوب پہنچانتا ہوں اور اس کا جو مطلب ہے اس کو بھی جانتا ہوں لیکن بعض ایسی باتیں سنی ہیں جن کا مقصد اور معنی نہ سمجھ سکا۔ تو اخنس نے کہا: اللہ کی قسم میری بھی یہی حالت ہے۔ پھر اخنس وہاں سے چل کر ابوجہل کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو لحکم!! محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ اور تم نے کیا سنا ہے؟ تو ابوجہل نے کہا: ہم اور بنو عبد مناف مقام شرف کے حاصل کرنے میں ہمیشہ دست و گریباں رہے ہیں۔ انہوں نے دعوتیں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خیر و سخاوت کی تو ہم نے بھی کی۔ حتیٰ کہ ہم تو پاؤں جوڑے

بیٹھے رہے اور وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس للہ کا ایک پیغمبر ہے۔ اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے تو اب ہم یہ بات کہاں سے لائیں اللہ کی قسم ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اس کی پیغمبری کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اخنس یہ سن کر چلا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)[" صحیح اسلامی واقعات"، صفحہ نمبر 101-99]

6. قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے ضمن میں غیر مسلموں کی شہادتیں

پروفیسر ہملٹن گبز ایک مشہور عربی دان تھا جو آکسفورڈ اور ہارورڈ جیسی یونیورسٹیوں میں عربی پڑھاتا رہا۔ وہ قرآن کے بارے میں لکھتا ہے:

... the Meccans still demanded of him a miracle, and with remarkable boldness and self-confidence Mohammad appealed as a supreme confirmation of his mission to the Koran itself. Like all Arabs they were the connoisseurs of language and rhetoric. Well, then if the Koran were his own composition other men could rival it. Let them produce ten verses like it. If they could not (and it is obvious that they could not), them let them accept the Koran as an outstanding evident miracle.(H.A.R. Gibbs, Mohammedanism,)

اسی طرح امریکی سکالر ریورینڈ ہیری گے لارڈ ڈارمن قرآن کے بارے میں لکھتا ہے:

It [the Qur'an] is a literal revelation of Allah, dictated to [Prophet] Muhammad [saas] by Gabriel, perfect in every letter. It is an ever-present miracle witnessing to itself and to [Prophet] Muhammad [saas], the Prophet of Allah. Its miraculous quality resides partly in its style, so perfect and lofty that neither men nor Jinn could produce a single chapter to compare with its briefest chapter, and partly in its content of teachings, prophecies about the future, and amazingly accurate information such as [Prophet] Muhammad [saas] could never have gathered of his own accord. (Harry Gaylord Dorman, Towards Understanding Islam)

ریورینڈ بازورتھ سمتھ جو ایک مشہور برطانوی تاریخ دان ہے قرآن کے بارے میں کہتا ہے:

A miracle of purity of style of wisdom and of truth. (Rev. R. Bosworth Smith, "Mohammed and Mohammadanism")

برطانوی عربی دان الفرڈ گولم قرآن کے بارے میں لکھتا ہے:

It [the Qur'an] has a rhythm of peculiar beauty and a cadence that charms the ear. Many Christian Arabs speak of its style with warm admiration, and most Arabists acknowledge its excellence… indeed it may be affirmed that within the literature of the Arabs, wide and fecund as it is both in poetry and in elevated prose, there is nothing to compare with it.(Alfred Guillaume, "Islam")

یہ چند حوالہ جات یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کا فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہونا اتنا مسلّم ہے کہ غیر مسلم عربی دان اور سکالرز بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

7. معجزات کو خدا کے وجود کے لیے استعمال کرنا اور مغربی فلاسفہ کی تنقید

مغربی فلاسفہ میں ڈیوڈ ہیوم (David Hume) اور باروک سپی نوزا (Baruch Spinoza) نے بالخصوص دلیلِ معجزہ پر تنقید کی ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ ان کی تنقید اصلاً عیسائیوں کے تصور 'Miracle' پر تھی نا کہ مسلمانوں کے تصور 'معجزہ' پر۔ یہاں بھی لغوی لحاظ سے ویسی ہی الجھن موجود ہے جو اس سے پہلے لفظ 'ایمان' کے ضمن میں پیش کی جا چکی ہے۔

- عیسائی جسے 'Miracle' کہتے ہیں اس سے مراد ایک ایسا خارق عادت یا ناممکن عمل ہے جو ان کے پیغمبر اور خدا کے بیٹے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے سرزد ہوا۔ اور جس کا ظہور آج بھی عیسائی مذہب کے سچے پیروکاروں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔
- اس کے برعکس مسلمانوں کا تصورِ 'معجزہ' یہ ہے کہ ایک ایسا ناممکن عمل جسے ہر جگہ ہر وقت پیش کیا جا سکے اور جس پر سچے خدا کی طرف سے چیلنج بھی موجود ہو جو پورا نہ ہو سکے۔ ہاں معجزہ کے علاوہ ایک اور اسلامی اصطلاح 'کرامت' کسی حد تک عیسائیوں کے تصور 'Miracle' کے قریب تر ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مغربی فلاسفہ کی تنقید اصل میں عیسائیوں کے تصور 'Miracle' پر تھی نا کہ مسلمانوں کے تصور 'معجزہ' پر۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان کی یہ تنقید صد فی صد درست تھی۔

ہیوم کے نزدیک جتنے بھی معجزات کا ذکر مذہبی صحیفوں میں ملتا ہے وہ صرف ان کی تاریخی خبریں ہی ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی معجزہ موجود نہیں کہ ہم اس کی تصدیق کر سکیں۔

"No testimony is sufficient to establish a miracle, unless the testimony be of such a kind, that its falsehood would be more miraculous, than the fact, which it endeavors to establish." (David Hume, Enquiries, p. 115ff)

ترجمہ: کوئی بھی شہادت miracle کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک کہ یہ شہادت اس نوعیت کی ہو کہ اس کا باطل ہونا اس حقیقت سے زیادہ miraculous ہو جس کو یہ ثابت کر رہی ہے۔

اگر غور کریں تو یہ اس ضمن میں ایک درست تنقید ہے لیکن ہیوم کے علم میں شاید نہیں تھا کہ مسلمانوں کے پاس قرآن زندہ معجزے کو طور پر آج بھی موجود ہے، اس لیے سابقہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے معجزات کا رد ان غیر مستند تاریخی واقعات کی بنا پر کیا جا سکتا ہے پر رسول اکرم ﷺ کے پیش کردہ معجزے یعنی قرآن پر یہ تنقید نہیں بنتی۔

سپی نوزا یہ کہتا ہے کہ یہ ماننا کہ معجزات وجود رکھتے ہیں خود خدا کے وجود کا انکار ہے۔ کیونکہ معجزے کا مطلب ہے ایک ایسا عمل جس میں قدرت کے قوانین ٹوٹ جائیں۔ اب کیونکہ خدا کے وجود کا شعور تو ان قوانین کے ذریعے ہی ہمیں حاصل ہوتا ہے، اگر ہم ان قوانین کا ٹوٹنا مان لیں تو خدا کا وجود تو ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔

Further, as nothing happens in nature which does not follow from her laws, and as her laws embrace everything conceived by the Divine intellect, and lastly, as nature preserves a fixed and immutable order; it most clearly follows that *miracles are only intelligible as in relation to human opinions*, and merely mean events of which the natural cause cannot be explained by a reference to any ordinary occurrence, either by us, or at any rate, by the writer and narrator of the miracle.

(Spinoza - Theological-Political Treatise: Chapter 6.)

ترجمہ: کائنات میں کچھ بھی ایسا نہیں ہوتا جو اس میں موجود قوانین کے تابع نہ ہو۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ قوانین خدائی عقل کے وجود کو جواز فراہم کرنے والی ہر شے پر لاگو ہوتے ہیں، نیز یہ کائنات ایک ساقط اور ناقابل تغیر نظم برقرار رکھتی ہے۔ چنانچہ یہ کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے miracles کا جواز محض انسانوں کی آرا کی شکل میں بنتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وہ واقعات ہیں جن میں ان کا کوئی بھی قدرتی سبب کسی عام واقعے کا حوالہ دے کر نہ ہم، نہ مصنف یا اس miracle کا حال بیان کرنے والا شخص واضح کر سکا۔

یہ تنقید درست نہیں ہے کیونکہ معجزے کا ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ خدا موجود نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے وجود کو مزید مستحکم کر دیتا ہے کیونکہ خدا ہی نے تو یہ قانون بنائے ہیں وہ انہیں کسی وقت بھی توڑ سکتا ہے۔ یہاں بھی معجزات کی خبر کو ہی مد نظر رکھا گیا ہے۔ اگر آج کے زندہ معجزے کا علم پسی نوزا کو ہوتا تو شاید وہ یہ اعتراض نہ کرتا۔ قدرتی قوانین کو اٹل ماننا تو خود خدا کو محدود کر دیتا ہے بلکہ اس طرح تو ان قوانین کو خدا پر ترجیح دینا لازم ٹھہرتا ہے جو کہ ظاہر ہے درست نہیں ہے۔

تصور 8: قرآن مجید کی حقانیت پر دیگر دلائل

8. قرآن کی حقانیت کو ثابت کرنے والے دیگر دلائل

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت جس پر اللہ نے چیلنج بھی کیا وہ معجزہ ہے جس کا کبھی بھی جواب نہیں دیا جا سکے گا لیکن اس کے علاوہ بھی خود قرآن میں بے شمار دلائل ہیں جو اس کی حقانیت ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل اس وقت دریافت ہوئی جب ٹورنٹو یونیورسٹی کے شعبۂ علم الجنین (Embryology) کے صدر پروفیسر کیتھ مور (Keith Moore) نے گواہی دی کہ قرآن میں انسان کی تخلیق کی جو سٹیجز بیان کی گئی ہیں وہ حقیقت سے قریب ترین ہیں۔ وہ اس شعبے کے ماہر تھے اور انہوں نے اس موضوع پر کئی درسی کتابیں بھی تیار کیں۔ ہوا کچھ اس طرح سے تھا کہ سعودی حکومت نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی تحقیق کی روشنی میں اس موضوع پر قرآن کے بیان کردہ حقائق کا جائزہ لیں اور ان کی صحت و عدم صحت پر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کریں۔ ریاض میں قیام کے دوران ان کو تمام مطلوبہ آلات و وسائل بہم پہنچائے گئے اور ہر قسم کی مدد فراہم کی گئی۔ اس تحقیق کے نتیجے میں وہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ بعد میں انہوں نے اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں کئی بڑی تبدیلیاں کیں۔ انہوں نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب 'ہم ولادت سے پہلے' (Before We are Born) کے دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کرتے ہوئے، علم الجنین (Embryology) پر قرآنی تفصیلات کو بڑے مدلل انداز میں درست قرار دیا۔ اس ضمن میں قرآن کے مندرجہ ذیل مقام نے انہیں بہت متاثر کیا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾ [مومنون]

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ پھر نطفہ کو ہم نے معلق شے بنا دیا، پھر اس معلق شے کو گوشت کا چبا ہوا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے چبے ہوئے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

قاہرہ میں ایک ریسرچ پیپر کو پریزینٹ کرتے ہوئے انہوں نے یہ فرمایا تھا:

"It has been a great pleasure for me to help clarify statements in the Qur'an about human development. It is clear to me that these statements must have come to Muhammad from God, or Allah, because most of this knowledge was not discovered until many centuries later. This proves to me that Muhammad must have been a messenger of God, or Allah."

سبحان اللہ حقیقت اب اتنی واضح ہو گئی کہ غیر مسلموں نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سچا خدا اللہ ہی ہے۔ کیونکہ سچا خدا وہی ہو سکتا ہے جسے معلوم بھی ہو کہ اس نے اپنی مخلوق کو کیسے تخلیق کیا۔ جسے معلوم ہی نہ ہو کہ اس نے ہمیں کیسے تخلیق کیا وہ ہمارا سچا خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان کی اس گواہی کے بعد مغرب میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔

اس کے علاوہ بھی قرآن میں ایسے کئی حقائق دریافت ہوئے اور دیگر شعبہ جات کے ماہرین نے یہ ثابت کیا کہ قرآن میں بیان کردہ تفصیلات حقیقت کے قریب تر ہیں جن کو باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف ایک ہی دلیل کا پیش کیا جانا کافی ہے۔

9. حاصل کلام

ان سب حقائق کے روشنی میں جو اوپر بیان ہوئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ:

- اگر قرآن نہ ہوتا تو حقیقتِ حق تک رسائی ناممکن تھی
- اس کائنات میں گر کوئی حتمی دلیل ہے جو بیک وقت اللہ کے وجود، اس کی واحدانیت اور اس کی شناخت کو ثابت کر سکے تو وہ قرآن ہی ہے
- رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان کا کردار اس طرح سے تو اب دلیل نہیں رہا جس طرح ان کی زندگی میں تھا پر ان کی کتاب اور ان کا معجزہ یعنی قرآن آج بھی موجود ہے جو اتمام حجت کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے رسول ﷺ نے ان لوگوں کے ایمان کو اعجب (یعنی خوبصورت) ایمان قرار دیا جو ان کے بعد آئیں گے اور اس قرآن کے ذریعے ان پر ایسے ایمان لائیں گے جس طرح صحابہؓ لائے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی جماعت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا ایمان افروز سوال کیا: اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا ؕ "تمہارے نزدیک کس مخلوق کا ایمان سب سے خوبصورت (یا قابلِ رشک) ہے؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! فرشتوں کا"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ "وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اللہ کی حضوری میں ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: "(یارسول اللہ!) انبیاء اکرام کا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ ؕ "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ ان پر وحی اترتی ہے؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے (معصومیت بھرے انداز سے) عرض کیا: "(یارسول اللہ!) پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہو گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ ؕ "کیا تم (اب بھی) ایمان نہ لاؤ گے جبکہ تمہارے سامنے ہر وقت میرا سراپا رہتا ہے؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلاَ! اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَ اِیْمَانًا لَقَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْھَا کِتَابٌ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا. "میرے نزدیک ساری کائنات میں سب سے خوبصورت (یا قابل رشک) ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد ہوں گے۔ وہ صرف اوراق پر لکھی ہوئی کتاب دیکھیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے۔" [مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب ھذہ الامۃ، 584]

قرآن کا نازل ہونا، اسکا معجزہ ہونا اور ۱۴۰۰ سال کے بعد بھی دشمنان اسلام کی شدید ترین دشمنی کے باوجود بھی اس کے چیلنج کا پورا نہ ہو سکنا وہ حقائق ہیں کہ آج اگر کوئی اللہ پر ایمان نہیں لاتا تو:

1. **اس کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:**

وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (۷۵) [قصص]

اور ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہ نکال لیں گے پھر کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ سچ بات خدا کی ہے اور جو کچھ وہ افتراء (من گھڑت باتیں) کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (۱۱۷) [مومنون]

اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کچھ بھی دلیل نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔

2. **اس کو ایسا کرنے کا حق ہی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

۔ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ (۶) [الجاثیہ]

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو یہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟

ایمان باللہ کا ہمہ گیر تصور (توحید وشرک)

توحید اور شرک کا تعارف

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی شناخت کو ثابت کرنے کے بعد اگلا مرحلہ اس کے ہمہ گیر تصور یعنی توحید یا شرک کو سمجھنے کا ہے جس کے بغیر ایمان باللہ نامکمل ہے۔ اس ضمن میں سب سے جامع الفاظ ایمان مجمل کے ہیں:

'آمَنتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسمَاءِہٖ وَ صِفَاتِہٖ وَ قَبِلتُ جَمِیعَ اَحکَامِہٖ اِقرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصدِیقٌ بِالقَلبِ'

میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہے اور میں نے اس کے تمام احکامات قبول کئے زبان سے گواہی دے کر اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بھی صفت کا انکار ہو یا ایسا نظریہ اپنا لیا جائے جس سے کسی ایک صفت کا انکار ہوتا ہو تو یہ واضح شرک ہے اور اللہ کے لیے ایسی توحید قابل قبول نہیں۔ قریش مکہ اللہ تعالیٰ کی کئی صفات کو مانتے تھے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ [یونس، 31]

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ وہ اللہ کو خالق، رازق، زندگی اور موت کا مالک اور یہاں تک کہ مدبر الامر (یا مسبب الاسباب) بھی مانتے تھے پر اللہ کے ہاں خالص کافر قرار پائے۔ ایمان باللہ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ شرک کی مختلف صورتوں کو سمجھ لیا جائے کیونکہ قرآن کی رو سے اللہ اور بڑے سے بڑے گناہوں کو تو اگر چاہے معاف کر دے گا پر شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا۔ [نساء:48]

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا۔ [نساء:116]

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

لیکن اس سخت وعید کے باوجود اللہ پر ایمان رکھنے والے اپنے عقیدے اور عمل میں شرک کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ۔ [یوسف:106]

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہیں۔

تصور 1(a): شرک کی اقسام

1. اقسام شرک

شرک ایک ہمہ گیر اور بڑا تصور ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی درجہ بندی (Categorization) کر دی جائے۔ اس ضمن میں شرک کی عموماً دو بڑی اقسام مانی جاتی ہیں:

a) شرک فی العقیدہ: یہ ہے کہ کوئی اپنے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرے۔ ایسا شرک شرک اکبر بھی کہلاتا ہے۔ اس کے مرتکب کو اللہ کبھی نہیں بخشے گا اور یہ ہمیشہ جہنم میں جلے گا۔

b) شرک فی العمل: یہ ہے کہ کوئی عقیدے میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ بناتا ہو پر اس کے عمل میں شرک کی آمیزش ہو۔ اس قسم کے شرک کو شرک فی الحقوق یا شرک اصغر بھی کہا جاتا ہے۔

ذیل میں شرک کی ان مختلف اقسام کو واضح کیا گیا ہے۔

a) شرک فی العقیدہ

شرک کی اس قسم کی آگے پھر مزید دو قسمیں ہیں:

i. شرک فی الذات

ii. شرک فی الصفات

تصور 1(b): شرک فی الذات

i. شرک فی الذات

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کا پورا تصور بمع تمام اسماء وصفات اس کے غیر سے منسوب کر دیا جائے تو یہ واضح ترین اور بدترین شرک ہے۔

- **کسی جاندار مخلوق کو اللہ کی ذات کا تصور دینا**

عیسائیوں نے عیسیٰؑ کو خدا کا صُلبی (یا نسلی) بیٹا قرار دیا۔ اب ظاہر ہے خدا کا صُلبی بیٹا خدا کی تمام اسماء وصفات کا حامل ہو گا۔ اسی طرح یہودیوں کے ایک گروہ نے "عزیرؑ" کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اس بدترین شرک پر اللہ کا ان پر غصہ سورۃ مریم آیات 88 تا 91 سے ظاہر ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا (٨٨) لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا (٨٩) تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (٩٠) أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا (٩١) وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا (٩٢) [مریم]

اور کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا، اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔

- **اللہ کی ذات کے تصور کو بے جان مخلوق کو دینا**

اس ضمن میں ایک تصور تو ہندومت میں اوتار کا عقیدہ ہے۔ جس کے تحت وہ یہ مانتے ہیں کہ خدا کچھ اشخاص میں حلول کر گیا۔ جیسے کرشنا اور رام چندر جیسے انسانوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بھی واضح طور پر شرک فی الذات کی ہی ایک شکل ہے۔

اس ضمن میں دوسرا تصور فلسفیانہ مذاہب میں فلسفے کا ایک مسئلہ حل کرنے کے نتیجے میں سامنے آیا اور اس نے نظریہ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ سابقہ ادوار میں فلسفیانہ سطح پر دو حقائق کو مسلم مانا جاتا تھا:

- خدا۔۔۔ قدیم (یعنی ہمیشہ سے ہے)
- مادہ۔۔۔ قدیم (یعنی ہمیشہ سے ہے)

یعنی مادہ بھی خدا کی طرح ہمیشہ سے ہے۔ جیسے بڑھئی کے لیے کرسی یا میز بنانے سے پہلے لکڑی کا موجود ہونا ضروری ہے اسی طرح کا تصور انہوں نے خدا کا بھی گھڑ رکھا تھا کہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے اسے تخلیق کرنے سے پہلے مادّے کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن اگر ان دونوں کو قدیم مان لیا جائے تو پھر توحید کی بجائے ثنویت (Dualism) کو جگہ دینی لازمی ہے۔ اب توحید کے حاملین نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہمہ اوست کا نظریہ پیش کیا کہ اصل میں مادہ کوئی خدا سے جدا چیز ہے ہی نہیں بلکہ یہ خدا ہی ہے جو مادے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ لیکن اس نظریہ سے نظریہ توحید کی حفاظت کیا ہونی تھی اس کی تو بنیادیں ہی ہل کر رہ گئیں۔ جب مادہ ہی خدا ہے تو ہر چیز چاہے وہ سورج ہو، چاند ہو، درخت، مٹی وغیرہ سب ہی خدا ہیں اور اگر ایسا ہے تو کسی کی بھی پوجا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ہندوستانی اور چینی (Indo-Chinese Religions) مذاہب میں آپ کو ہر چیز کی پوجا کرنے والے مل جائیں گے۔

- **وحدت الوجود اور ہمہ اوست میں فرق**

مندرجہ بالا مسئلے کو حل کرنے کے لیے مسلم حکماء نے 'ہمہ اوست' جو کہ سراسر شرک ہے کے برخلاف 'وحدت الوجود' کا فلسفہ پیش کیا۔ ان کے نزدیک دراصل خدا ہی موجود ہے جبکہ یہ کائنات جس کا مشاہدہ ہم کرتے ہیں سرے سے موجود ہی نہیں۔ انہوں نے وجود کی وہ تعریف جس کے مطابق یہ کائنات موجود قرار پاتی ہے کی بجائے اس کی ایسی تعریف کی کہ جس کے مطابق صرف اللہ ہی موجود ٹھہرے اور غیر اللہ غیر موجود قرار پائے۔ رہا سوال کہ پھر یہ مادی دنیا جو نظر آ رہی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ موجود تو ہے پر خدا کے خارج میں نہیں بلکہ اس کے باطن میں ہے جبکہ خارج میں جو نظر آتا ہے وہ سب خدا کی صفات کے عکوس یا ظلال ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی کائنات کے وجود کا کلی انکار نہیں کیا بلکہ کائنات کے خارجی وجود کا کلی انکار کیا۔

- **وحدت الوجود کے حوالے سے چند اہم نکات**

وحدت الوجود عقیدے کا مسئلہ نہیں: آج کچھ طبقات اس فلسفہ پر تنقید کرتے ہیں پر اول تو وہ وحدت الوجود کو ہمہ اوست ہی سمجھ بیٹھتے ہیں جو بالکل صحیح نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور جو اس کو ہمہ اوست نہیں بھی سمجھتے وہ اس کو عقیدے کا ایک مسئلہ سمجھ کر اس پر تنقید کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ کا مسئلہ نہیں بلکہ فلسفے کا مسئلہ ہے ہاں اس کو سلجھاتے ہوئے عقیدے کو کبھی بھی پس پشت نہیں ڈالنا چاہیئے۔

وحدت الوجود اور سائنس: آئنسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹوٹی (Theory of Relativity) کے منظر عام پر آنے کے بعد تو مادی دنیا کی حقیقت جو پہلے ٹھوس اور مسلم سمجھی جاتی تھی اب حتمی نہیں رہی بلکہ مشاہدہ کرنے والے کے مطابق (**Relative to the Observer**) ہو کر رہ گئی ہے۔ آئنسٹائن کے بعد اب مادی دنیا اور اس میں موجود ہر شے بس ایٹم، الیکٹرون اور پروٹون کا ہی مجموعہ ہے۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ٹھوس شکلیں جو ہمیں آس پاس نظر آ رہی ہیں کیا ہیں؟ آج سائنسدان اور فلاسفہ یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ یہ سب حقیقی وجود نہیں رکھتیں بلکہ ان کا وجود ہمارے اذہان میں یا شعور میں ہی ہے۔ بلکہ اب تو ہولوگرافک یونیورس (**Holographic Universe**) کے بھی نظریات محکم دلائل پر کھڑے ہو رہے ہیں اور بعید نہیں کہ صوفیاء کا یہ نظریہ کے یہ سب کائنات وہم یا خیال یا عکس یا سایہ ہے کی حقیقت بھی واضح ہو جائے۔

- **ڈاکٹر اسرارؒ کا نظریہ وحدت الوجود**

ڈاکٹر اسرار کے نزدیک یہ کائنات بھی موجود ہے اور اللہ بھی لیکن اللہ کے وجود کے مقابلے میں یہ معدوم ہے۔ اس کائنات کے وجود کی حقیقت یہ ہے یہ اللہ کے کلمہ کن کا ظہور ہے۔ چنانچہ جہاں صوفیاء کے ہاں قدیم سے حادث تک کا سفر تنزلات ذات الٰہی کی صورت میں ہوا اور یہ تنزلات اس کے خارج میں نہیں بلکہ باطن ہی میں ہوئے، ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ سفر تنزلات ذات الٰہی کی صورت میں نہیں بلکہ تنزلات کلمہ الٰہی کے ذریعے سے ذات الٰہی کے خارج میں ہوا۔

۔ اس کا پہلا تنزل روحانی دنیا میں ہوا جب انسانی ارواح اور فرشتے تخلیق ہوئے۔

۔اس کا دوسرا تنزل مادی دنیا میں ہوا جس میں بگ بینگ کے فوراً بعد ناری کرّے وجود میں آئے اور جنات کی تخلیق ہوئی۔

۔اس کے بعد تیسرا تنزل اس وقت ہوا جب ناری کرّے ٹھنڈے ہونا شروع ہوئے، اور کھربہا سیاروں میں سے ایک سیارے زمین پر پانی اور مٹی کے ذریعے نباتات و حیوانات کی حیات کا آغاز ہوا۔ یہی سلسلہ ہوتے ہوتے انسان تک پہنچا، جہاں حیوان انسانی کے ساتھ روح انسانی کو ملا کر ایک منفرد اور عظیم مخلوق پیدا ہو گئی۔

ڈاکٹر اسرارؒ پر الزام: ڈاکٹر اسرارؒ کے وحدت الجود سے متعلق نظریات ان کی تقاریر اور کتب میں متعدد بار وضاحت کے ساتھ آئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ایک گروہ ان سے ہمہ اوست کے نظریے کو منسلک کر کے شرک کا الزام لگا رہا ہے۔ حالانکہ وحدت الوجود کی کئی تعبیرات ہیں جس میں ہمہ اوستی تعبیر تو سراسر شرک اکبر ہے اور اس کو ڈاکٹر صاحب نے بھی تفصیلاً واضح کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ گروہ اس فلسفے کی ہمہ اوستی تعبیر ہی کو دوسروں سے منسوب کرنے پر مصر ہے چاہے وہ ان کے انکاری ہی کیوں نہ ہو۔

- **ظاہر وجود اور حقیقت وجود میں فرق**

دنیا میں ہم بہت سے حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کسی بھی حقیقت کو دیکھنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک ظاہراً اسے دیکھنا اور دوسرا حقیقتاً اس کا مشاہدہ کرنا۔ دونوں ہی مشاہدات اپنی جگہ پر صحیح ہو سکتے ہیں پر ظاہری وجود کے برعکس حقیقی وجود کا مشاہدہ اور اس کا اظہار دونوں بہت مشکل ہیں۔ مثلاً ایک ظاہری آنکھ جب سورج غروب ہونے کا منظر دیکھتی ہے تو اس کے نزدیک سورج مغرب میں غروب ہوتا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت جیسا کہ ہم جانتے ہیں کچھ اور ہے۔ سورج حقیقت میں ڈوبتا نہیں ہے بلکہ زمین اپنے مدار میں گھومتے ہوئے ایک حصہ سورج سے چھپا لیتی ہے۔ چنانچہ حقیقی وجود پر کوئی غور کرنا چاہے تو کر سکتا ہے پر قرآن کی روشنی میں عام بندے کے لیے اسی میں عافیت ہے کہ ظاہری وجود کو تسلیم کر کے بس اتنا سمجھ لے کے حقیقی وجود اللہ ہی کا ہے، باقی تمام مخلوقات کا وجود اسی کا عطا کردہ ہے اور یہ حادث اور فانی ہے۔

تصور2: شرک فی الصفات کا تعارف اور اس کی نشاندہی کے اصول

ii. شرک فی الصفات

شرک فی الصفات یہ ہے کہ اللہ کی کوئی ایک صفت اٹھا کر اس کے غیر کو دے دی جائے چاہے باقی تمام صفات کو مانا بھی جا رہا ہو۔ شرک کی اس شکل کو پہچاننا شرک فی الذات سے قدرے مشکل ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ کسی نہ کسی صورت میں اس کی مخلوق میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ بصیر ہے، پر ہم بھی تو بصیر ہیں، اسی طرح اللہ خالق ہے تو کچھ نہ کچھ تخلیقی صلاحیتیں ہم میں بھی ہیں، اللہ رازق ہے تو ہم بھی اپنے گھر والوں کے لیے رازق ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب اس ضمن میں جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کی صفات میں موجود فرق مد نظر نہ رہے تو شرک فی الصفات سے بچنا ناممکن ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی صفات میں اگر مندرجہ ذیل تین بنیادی اختلافات کو سمجھ لیا جائے تو شرک فی الصفات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

1. اللہ کی صفات اس کی ذاتی ہیں۔۔۔۔ مخلوق کی صفات عطائی ہیں
2. اللہ کی صفات لامحدود ہیں۔۔۔۔۔۔ مخلوق کی صفات محدود ہیں
3. اللہ کی صفات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔۔ مخلوق کی صفات نہ ہمیشہ سے ہیں نہ ہمیشہ رہیں گی۔

اب اگر اللہ رازق ہے تو یہ صفت اس کی ذاتی ہے، لا محدود ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جبکہ کسی مخلوق میں رزاقی کی صفت محدود ہے، اللہ کی عطائی ہے اور نہ ہمیشہ سے ہے اور نہ ہی ہمیشہ رہنے والی ہے۔

قریش مکہ جن کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں اللہ کی تمام صفات میں شرک نہیں کرتے تھے۔ از روئے قرآن وہ اللہ کو خالق، رازق، زندگی اور موت کا مالک، اور یہاں تک کہ مدبر الامر بھی مانتے تھے۔

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ۔ [یونس:31]

اِن سے پُوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اِس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کہو، پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟

لیکن اس کے ساتھ وہ کئی صفات کے انکاری بھی تھے۔ مثلاً اللہ کو مالک یوم الدین نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح الحکم (آخری فیصلہ کرنے والا)، العزیز (سب سے زیادہ عزت والا)، مالک الملک (بادشاہی کا تنہا مالک) جیسی صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے تھے۔

شرک کی یہ وہ قسم ہے جو ہر دور میں اپنا رنگ بدلتی ہے۔ آج کے دور میں زمانہ جاہلیت والا شرک بھی موجود ہے جس سے یہ امت بھی محفوظ نہیں رہی پر اس کی جدید قسمیں تو بالکل ہی نظروں سے اوجھل ہیں۔

چند اہم مسائل جن میں شرک فی الصفات ہوتا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

تصور 3: شرک فی الصفات کی پہلی صورت: شفاعت باطلہ کا عقیدہ

- **شفاعت:**

اس ضمن میں مالک یوم الدین (فیصلے کے دن کا مالک)، الوالی (حمایت کرنے والا)، العلیم (علم والا)، الخبیر (خبر رکھنے والا) جیسی صفات آجاتی ہیں۔ فیصلے کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کو یہ اجازت دیں گے کہ کچھ لوگوں کے لیے شفاعت کریں۔ لیکن اگر نظریہ یہ ہے کہ یہ اشخاص اس شفاعت کو قبول کروالیں گے تو شرک ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کو بھی قرآن میں تفصیل سے کھولا گیا ہے۔ روز محشر اس شفاعت کی کیفیت ایسی ہو گی کہ اول تو شفاعت کرنے والے کو بھی اس کی اجازت ملے گی تو وہ ایسا کرے گا، پھر جس کے لیے حکم ہو گا اس ہی کے لیے شفاعت کی جائے گی، پھر اس شفاعت کا سننا نہ سننا بھی اللہ کے اختیار میں ہو گا [طٰہٰ،109]، پھر شفاعت کرنے والا بھی غلط سفارش نہ کر پائے گا [نباء،۳۸]۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (١٠٩) [طه]

اس روز شفاعت کار گر نہ ہو گی الا یہ کہ رحمان کسی کو اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔

لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (۳۸) [النبا]

اس دن کوئی نہ بولے گا الا یہ کہ کسی کو رحمان بولنے کی اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔

چنانچہ شفاعت کرنے والوں کا اختیار بس درخواست کرنے تک ہی ہے اس لیے سورۃ الزمر میں تو اس مسئلہ کو بالکل ہی واضح کر دیا گیا کہ شفاعت دراصل کل کی کل اللہ ہی کے لیے ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (۴۳) قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۴۴) [زمر]

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں۔ کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔ کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

تصور4: شرک فی الصفات کی دوسری صورت: استعانت میں شرک

- **استعانت (غیر اللہ سے مدد طلب کرنا):**

اس ضمن میں الوہاب (بہت دینے والا)، الرزاق (رزق دینے والا)، الحفیظ (حفاظت کرنے والا)، المقیت (روزی پہنچانے والا) جیسی صفات آجاتی ہیں۔ یہ صفات مخلوق میں کچھ حد تک پائی جاتی ہیں، اس لیے ان سے ظاہری اسباب کی بنا پر مدد کے لیے پکارا جا سکتا ہے اگر وہ خود بھی موجود ہوں۔ لیکن اگر یہ نظریہ ہے کہ یہی مخلوقات دینے والی، رازق اور حفاظت کرنے والی ہیں تو یہ شرک ہو جائے گا۔ رہی بات بے جان اشیاء یا مردوں سے مانگنے کی تو یہ تو بالکل شرک ہے کیونکہ وہ تو کسی صورت بھی مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس ضمن میں بہت سی آیات ہیں۔ مثلاً بے جان بتوں کو مدد کے لیے پکارنے کے ضمن میں اللہ فرماتے ہیں:

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (۱۹۱) وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ (۱۹۲) وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ (۱۹۳) إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۹۴) [اعراف]

کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمہارا کہنا نہ مانیں۔ تمہارے لیے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپکے ہی رہو۔ (مشرکو) جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم ان کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تم کو جواب بھی دیں۔

اسی طرح فوت شدہ بزرگوں سے مدد نا گنے کے حوالے سے اللہ کا ارشاد ہے:

۔۔۔۔ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ (١٣) إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (١٤) [فاطر]

۔۔۔ اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو (کسی چیز کے) مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔ اور (خدائے) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا چاہے کسی بت سے مانگا جائے یا فوتشدہ بزرگوں سے دونوں ہی شرک کی صورتیں ہیں۔

غیبی اسباب مثلاً جنات یا مردوں سے مدد لینا (استمداد بالغیب):

غیب میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس سے مشکل میں مدد مانگنا جائز ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور ہستی سے جو خود غیب میں ہو جیسے جنات وغیرہ یا غیبی اسباب کے ذریعے مسائل حل کرنے کی مدعی ہو جیسے عامل وغیرہ سراسر شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (١٢٨) وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (١٢٩) [الانعام:١٢٨-١٢٩]۔

جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا، اس روز وہ جنوں سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ "اے گروہِ جن! تم نے نوع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا" انسانوں میں سے جو اُن کے رفیق تھے وہ عرض کریں گے "پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے، اور اب ہم اُس وقت پر آ پہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا" اللہ فرمائے گا "اچھا اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے، اس میں تم ہمیشہ رہو گے" "اس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہے گا، بے شک تمہارا رب دانا اور علیم ہے۔ دیکھو، اس طرح ہم (آخرت میں) ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے اُس کمائی کی وجہ سے جو وہ (دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر) کرتے تھے۔

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (٦) [جن:٦]

اور یہ کہ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اِس طرح اُنہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا"

چنانچہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی غیبی مخلوق سے مدد لینا بھی جائز نہیں ہے۔

اس حوالے سے صرف دو غیبی اسباب ایسے ہیں جو جائز ہیں:

۱۔ کسی سے دعا کی درخواست کرنا

۲۔ رقیہ شریعہ (قرآن کی آیات با آواز بلند پڑھ کر کسی سے دم کروالینا)

اس کے علاوہ کسی اور غیبی سبب کے ذریعے مدد لینا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی کسی بھی صورت میں دراصل جنّات کا عمل دخل ہوتا ہے جن کے ساتھ مل کر کام کرنے کی سخت ممانعت ہے۔

تصور5:جھوٹے پیروں اور عاملوں کی پہچان

اس ضمن میں باطل پیروں اور روحانی علاج کرنے والوں کی شناخت کرنے کے لیے ایک اہم کتاب 'شریر جادوگروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار (الصّارم البتّار فی التصدی للسّحرۃ الاشرار)(مئولف: شیخ وحید عبد السلام بالی)' بہت مفید ہے جس میں ایسے شیطان کے ساتھیوں کی مندرجہ ذیل صفات پر بحث کی گئی ہے جن سے ان کی کوئی بھی با آسانی پہچان کر سکتا ہے:

1. ماں کا نام پوچھنا
2. کپڑوں میں سے کوئی کپڑا مانگنا
3. جانور طلب کرنا اور بسم اللہ کہے بغیر ذبح کرنا اور خون جسم پر ملنے کا کہنا
4. طلسم کو لکھنا اور پڑھنا جو کوئی بھی سمجھ نہ سکے
5. ایسا تعویذ دینا جس میں ڈبے ہوں اور ان میں حروف یا نمبر لکھے ہوں
6. روپوش ہونے کا کہنا جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی ہو
7. ایک خاص مدت جو کہ زیادہ تر ۴۰ دن ہوتی ہے پانی سے دور رہنے کا کہنا
8. مریض کو دفن کرنے کے لیے کچھ چیزیں دینا
9. کچھ ایسے کاغذ دینا جن کو جلا کر اس کی دھونی لینی ہو
10. ایسا کلام کے ساتھ بڑبڑانا جو سمجھ نہ آسکے
11. مریض کو اس کا نام، شہر اور آنے کی وجہ بتا دینا
12. کاغذ یا تعویذ پانی میں گھول کر پینے کا کہنا

تصور6:شرک فی الصفات کی دیگر صورتیں: علم، مادّہ پرستی اور حاکمیت میں شرک

- **علم:**

اس ضمن میں العلیم (علم والا)، الخبیر (خبر والا)، السمیع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا) جیسی صفات آتی ہیں۔ ان صفات میں شرک اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ انبیاء ورسل علیہم السلام کے ساتھ عالم الغیب کی صفت منسوب کر دیتے ہیں۔ یہی معاملہ اہل تشیع کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے اماموں کو کلی علم غیب کا حامل مانتے ہیں۔ یہ شرک ہے۔ ہر شے کا چاہے وہ غیب میں ہی کیوں نہ ہو کلی علم صرف اللہ کے پاس ہے اور وہ اس کل کا مالک کسی اور کو نہیں بناتا۔ ہاں جزوی طور پر جسے چاہے علم الغیب عطا کر دیتا ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الجن میں تفصیل سے آئی ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (٢٦) إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (٢٧) [الجن]

اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے علم پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے۔

- **مادہ پرستی کا شرک:**

اس ضمن میں القادر (قدرت والا)، المدبر الامر (مسبب الاسباب) جیسی صفات آتی ہیں۔ اسباب کے اندر بظاہر یہ تاثیر نظر آتی ہے کہ ان سے کام بن جائے گا۔ چنانچہ ان کے اندر بھی کچھ صفتِ قدرت موجود ہے اس لیے ان کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اسباب پر یہ یقین ہو جائے کہ انہیں کی وجہ سے کام سرانجام پائے گا، تو ایسا شخص اسباب کو مدبر الامر کی صفت دے کر شرک فی الصفات کا مرتکب ہو جائے گا۔ مغربی مادّہ پرستانہ فکر کے تسلط کی وجہ سے یہ شرک آج پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ سورۃ الکھف میں دو باغ والوں کا قصہ شرک کی اس شکل کو واضح کرتا ہے۔ اس میں باغ کے مالک کو یہ زعم ہوتا ہے کہ اس کے باغ کو زرخیز اور سرسبز رکھنے کے کیونکہ تمام اسباب مہیا ہیں اس لیے اس پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ لیکن جب یہ باغ اللہ تعالیٰ تباہ کر دیتے ہیں تب اسے احساس ہوتا ہے کہ ان اسباب کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہوا تھا۔

وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا (٤٢) [الكهف]

آخر کار ہوا یہ کہ اس کا سارا ثمرہ مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے باغ کو چھتوں پر الٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور کہنے لگا کہ "کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا ہوتا"

- **حاکمیت:**

جو شخص اللہ کی حاکمیت کی بجائے کسی اور (جس میں عوام کی حاکمیت کا تصور بھی شامل ہے) کی حاکمیت پر یقین رکھتا ہے تو وہ اللہ کی صفات 'الحکم' (فیصلہ کرنے والا)، 'العدل' (عدل کرنے والا)، 'مالک الملک'، 'العلیم' (کامل علم والا)، 'الحکیم' (حکمت والا) وغیرہ کا انکار کرتا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر (31) اس مسئلہ کو تفصیل سے واضح کرتی ہے

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ [التوبه۹:۳۱]

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

اس آیت میں عیسائیوں پر عیسیٰؑ ابن مریم کے ساتھ ساتھ اپنے علماء و مشائخ کو رب بنانے کا الزام بھی لگا۔ اس کے نزول کے وقت عدی بن حاتمؓ جو عیسائی عالم تھے کو یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ عیسائیوں پر علماء اور مشائخ کو رب بنانے کا الزام کیوں لگا۔ اس پر حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا تھا: 'کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جو یہ حرام قرار دیتے ہیں تم اس کو حرام مانتے ہو اور جو یہ حلال قرار دیتے ہیں تم اس کو حلال مانتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہاں یہ ہم ضرور کرتے رہے ہیں۔ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا کہ بس یہی ان کو رب بنا لینا ہے۔ [ترمذی]

بالفاظ دیگر اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ سازی کا حتمی اختیار دینا اسے اللہ کے ساتھ شریک کر لینا ہے۔ کیونکہ یہ صرف اللہ کی ذات ہے جو الحکم، العلیم اور الحکیم ہے۔

اسی طرح یہ مضمون سورۃ المائدہ آیت نمبر ۵۰ میں تفصیل سے آیا ہے جس میں اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنے کو جاہلیت کا طریقہ قرار دیا گیا۔ اس آیت کی تشریح میں ابن کثیر نے واضح کیا ہے کہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو نافذ کرنا کفر ہے

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ [مائدۃ]

کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے؟

تفسیر ابن کثیر: مائدہ، 50:

یہاں اللہ تعالیٰ اس شخص پر نکیر فرما رہا ہے جو اللہ کے محکم فیصلے کو چھوڑ کر کہیں جاتا ہے جبکہ اللہ کا وہ فیصلہ ہر ہر خیر پر مشتمل ہے اور ہر ہر شر سے مانع ہے، مگر یہ شخص اس کو چھوڑ کر اور چیزوں کی طرف جاتا ہے، خواہ وہ آراء ہوں یا وہ وضع کر لی گئی اشیاء جنہیں انسانوں نے ہی مقرر ٹھہرا لیا ہے بغیر اس کے کہ ان پر شریعت سے کوئی سند ہو، جیسا کہ اہل جاہلیت اپنے حکم و قانون کیلئے اپنی ان ضلالتوں اور جہالتوں کو مقرر ٹھہرا لیتے تھے جن کو وہ اپنی آراء اور اہواء سے اختیار کر لیتے۔ اور جس طرح یہ تاتاری ان شاہی فرامین کی بنیاد پر اپنا حکم و قانون چلاتے ہیں جن کا ماخذ ان کے بادشاہ چنگیز خان کا وضع کیا ہوا یاسق (تزک چنگیزی، تاتاری قوانین کی کتاب) ہے اور جو کہ ایک مجموعہ قوانین سے عبارت ہے جو اس نے مختلف شریعتوں سے نکال کر اکھٹے کئے تھے، یہودیت سے بھی، نصرانیت سے بھی اور شریعت اسلامی سے بھی، جبکہ اس میں بہت سے قوانین ایسے ہیں جو اس نے خود اپنے ہی فکر اور ہوائے نفس سے ماخوذ کر رکھے تھے، اور یوں یہ یاسق (تزکِ چنگیزی) ہی آگے اس کی اولاد میں ایک دستور بن چکا ہے جس کی باقاعدہ پیروی ہوتی اور جسے وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو لاگو کرنے پر مقدم رکھتے ہیں۔ پس جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اس سے قتال واجب ہے تا آنکہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے قانون کی جانب پھر نہ آئے، یہاں تک کہ ہر ہر معاملے میں، خواہ کوئی معاملہ چھوٹا ہو خواہ بڑا، وہ اللہ اور رسول ﷺ کو ہی فیصل اور حَکَم نہ ماننے لگے۔

ووٹ دینے کا شرعی حکم: آج امت مسلمہ میں الیکشن میں حصہ لینے والی اکثر جماعتوں کا مقصد یا منشور شریعت اسلامی کے نفاذ کی بجائے مغربی قوانین کا نفاذ ہے۔ اور اس طرح یہ بدترین شرک کے مرتکب ہیں۔ اور اسی طرح ان کو ووٹ دینے والے بھی اس شرک میں حصہ دار ہیں کیونکہ ووٹ دینے کا مطلب رائے دہندگی نہیں ہے جیسا کہ عام تصور ہے بلکہ یہ حکومت کرنے کا حق ہے جو ایک شخص کسی دوسرے کو ہبہ کرتا ہے۔ اس لیے وہ اس شرک میں برابر کا حصہ دار ہے۔ ووٹ صرف انہیں سیاسی جماعتوں کو دینا جائز ہے جن کا واضح منشور اسلامی شریعت کا نفاذ ہو، کسی سیکولر یا لبرل جماعت کو ووٹ دینا شرک میں معاونت ہے۔

تصور 7: شرک فی العمل یا شرک فی الحقوق کی صورتیں اور عصر حاضر کے خداؤں کی پہچان

b) شرک فی العمل اور عصر حاضر کے خداؤں کی پہچان

شرک فی العمل یہ ہے کہ کوئی چاہے اللہ کو اسماء وصفات کے ساتھ تو مانتا ہو لیکن عملاً اس کا انکار کر رہا ہو یا اس کے حقوق کو ترجیح دینے کی بجائے اس کے غیر کے حقوق کو ترجیح دے دے۔ اس قسم کے شرک کو شرک فی العمل بھی کہا جاتا ہے جبکہ سابقہ دو اقسام کو شرک فی العقیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اسے شرک اصغر اور سابقہ دو اقسام کو شرک اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شرک کی سب سے زیادہ مخفی شکل ہے جس کو پہچاننا بہت مشکل ہے۔ اس قسم کے شرک کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم الٰہ کا تصور صحیح طرح سمجھ لیں۔

عام تصور یہ ہے کہ الہ وہ ہوتا ہے جس کی خالص عبادت کی جائے یا بالفاظ دیگر جس کی دل سے پرستش کی جائے لیکن یہ الہ کا محدود تصور ہے۔ الہ دراصل ایسی ہستی ہوتی ہے کہ خالص عبادت کے علاوہ:

- جسے سب سے بڑھ کر مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جائے (یعنی مشکل میں یا حاجت کی حالت میں سب سے پہلے اسی کا خیال ذہن میں آئے)
- جسے غیب میں ہوتے ہوئے پکارا جائے
- جس کی سب سے بڑھ کر اطاعت کی جائے
- جس سے سب سے بڑھ کر محبت کی جائے
- جس کے لیے کوئی لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائے
- جس کے ساتھ تعلق میں اسے سکون اور اطمنان نصیب ہو
- جس سے سب سے بڑھ کر خوف کھایا جائے
- جو ہر وقت دھیان میں رہے

الہ کے اس ہمہ گیر تصور کو سمجھنے کے بعد یہ احساس کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت محض عبادت میں تو اللہ کو الہ سمجھے ہوئے ہے پر باقی تمام امور میں ان کے الہ اور ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک غلط تصور ہے کہ ہر الہ کا لازماً بت بھی ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔

ذیل میں اس قسم کے شرک کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں:

a) **عبادت میں اخلاص:**

یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ اس کے لیے عبادت کو خالص کیا جائے۔ اس کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت اگر کسی عقیدہ کی بنا پر کی جائے گی تو یہ شرک فی الصفات کی صورت ہو گی لیکن اگر عقیدہ ایسا نہیں تھا پر عملاً عبادت جو اس کے لیے خالص ہونی چاہیے تھی اس میں غیر اللہ کی عبادت شامل ہو گئی تو یہ شرک فی الحقوق کے زمرے میں آئے گا۔ مثلاً کوئی نیت تو اللہ کے لیے ہی نماز پڑھنے کی کرتا ہے پر بیچ میں صرف اس وجہ سے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اپنا سجدہ لمبا کر دیتا ہے تو اس کا یہ سجدہ اللہ کی بجائے اس شخص کے لیے ہو گیا۔ یہی ریاء اصل میں از روئے حدیث شرک اصغر کی ایک صورت ہے۔

من صلیٰ یرائی فقد اشرك من صام یرائی فقد اشرك و من تصدق یرائی فقد اشرکه۔۔ [مسند احمد]

جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔

اس مسئلہ کو سورۃ زمر میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴿٢﴾ [زمر]

(اے پیغمبر) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو خدا کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ(۱۱)[زمر]

کہہ دو کہ مجھ سے ارشاد ہوا ہے کہ خدا کی عبادت کو خالص کر کے اس کی بندگی کروں۔

b) **اطاعت:**

اطاعت کے بارے میں تو شریعت کا واضح اصول ہے کہ 'لَا طَاعَتَ لِی مَخلُوقٍ فِی مَعصِیَّتِ الخَالِق' یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو ہر گناہ شرک فی الاطاعت کی ایک صورت ہے کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت کے بجائے نفس اور شیطان کی اطاعت کی جاتی ہے، چاہے ایسے شخص کا عقیدہ ٹھیک ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو سورۃ الجاثیہ آیت 23 میں واضح کیا ہے۔ اس آیت کی رو سے وہ شخص جو اللہ کی اطاعت کی بجائے اپنی خواہش نفس کی اطاعت کرنے لگ جاتا ہے، وہ دراصل اللہ کی بجائے اس نفس کو الٰہ کا مقام دے دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے ایسا شخص اگر شریعت کا علم بھی رکھتا ہو تو ہدایت نہیں پا سکتا۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (۲۳)[جاثیہ]

بھلا آپ نے اس کو بھی دیکھا جو اپنی خواہش کو ہی اپنا خدا بنالیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ کے بعد اسے کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

اسی طرح چاہے حکمران ہوں یا ذمہ دار، ماں باپ ہوں یا گھر کے دیگر سربراہ، ان کی اطاعت اس وقت تک ہی جائز ہے جب تک کہ وہ اللہ اور اس کی اطاعت کرتے ہیں ورنہ تو ان کی اطاعت نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا(۵۹)[نساء]

مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

چنانچہ آج کی دنیا میں مندرجہ ذیل الٰہ ہیں جن کی اطاعت اللہ سے بڑھ کر ہو رہی ہے:

- نفس
- کمپنی کے مالکان اور باسز
- حاکم
- ریاستی ادارے (پارلیمنٹ، عدلیہ، انتظامیہ وغیرہ)

c) **محبت:**

اسی طرح محبت کے بھی سب سے زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ ہیں۔ اگر اللہ کے غیر سے اتنی یا اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اللہ سے ہونی چاہیے تو یہ شرک فی المحبت ہے۔

سورۃ توبہ کی آیت کے مطابق اگر اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے لیے جہاد کرنے کی محبت (۳ محبتیں) باپ، بیٹے، بھائی، بیوی، رشتہ دار، مال، تجارت اور گھر سب کی محبتوں (۸ محبتیں) سے کم ہے تو ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں مل سکتی جیسا کی شرک مع نفس کے مرتکب شخص کے لیے وعید اوپر گزر چکی ہے۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۲۴) [توبہ]

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اسی طرح مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ ---- [ابقرۃ:۱۶۵]

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک (خدا) بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔---

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آج کے دور میں مندرجہ ذیل الہ ہیں جن سے محبت اللہ سے بڑھ کی کی جارہی ہے:

- وطن
- بیوی بچے
- پیسہ

علامہ اقبالؒ نے ان سب الہوں کی نشاندہی اپنی شاعری میں کی ہے۔ وطن کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان تازہ خدائوں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اسی طرح بیوی بچوں اور مال و دولت کے بارے میں فرماتے ہیں:

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

بتان وھم و گماں لا الہ الا اللہ

d) خوف:

خوف کھانا بھی فطرت انسانی کا حصہ ہے۔ لیکن اگر اللہ کے سوا کسی اور کا خوف اللہ کے خوف سے زیادہ ہو جائے تو شرک فی الخوف کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (175) [آل عمران]

یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔

۔ابو سعید خضریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: 'تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو حقیر نہ کرے'۔ صحابہؓ نے پوچھا: 'ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو حقیر کرتا ہو؟' آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جو اللہ کے متعلق کسی امر کو دیکھے جس کے بارے میں اس پر کچھ کہنا لازم ہو، اس پر کچھ نہ کہے۔ اللہ عزوجل اس سے قیامت والے دن سوال کریں گے: 'کس نے تجھے فلاں فلاں کے بارے میں بولنے سے روکا؟' وہ کہے گا: 'لوگوں کے ڈر نے' پس اللہ فرمائیں گے: 'میرا حق زیادہ تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا"۔ [ابن ماجہ، باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نمبر ۴۰۰۸]

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آج کی دنیا میں مندرج ذیل الٰہ پائے جاتے ہیں:

- حاکم
- کمپنی کے مالکان اور باسز
- ریاستی ادارے
- آسائیشوں کے چھن جانے کا خوف
- مستقبل کے خدشات

1. دعا

یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کے سوا کسی اور ہستی سے یہ عقیدہ رکھ کے دعا مانگتا ہے کہ اس سے اسے کچھ ملے گا تو وہ شرک فی الصفات کا مرتکب ہو گا کہ اس نے اللہ کی صفات کو اٹھا کر کسی اور ہستی کو دے دیا۔ لیکن اگر اس کا یہ عقیدہ نہیں ہے پر مشکل میں اللہ کی طرف دھیان جانے کی بجائے کسی اور سے مدد کی اپیل کرتا ہے تو یہ شرک فی الحقوق کی صورت ہو گی۔ اس ضمن میں قرآن کی بے شمار آیات پیش کی جا سکتی ہیں۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (18) [الجن]

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (60) [المومن]

تمہارا رب کہتا ہے "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

ہمارے دین کا مزاج تو یہ ہے کہ ایسی روزہ مرہ کی ضروریات جو با آسانی معاشرے میں دستیاب ہوں کو بھی اللہ سے ہی اولاً مانگا جائے۔ جیسا کہ ایک مرسل روایت میں آتا ہے کہ:

حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سُوْرَةٌ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ، وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ سُوَرَةٌ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ قَطَنٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ سُلَيْمَانَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک اپنی ضرورت اپنے رب سے مانگے، یہاں تک کہ نمک اور اپنے جوتے کا ٹوٹا ہوا تسمہ بھی اسی سے طلب کرے"۔[ترمذی]

یاد رہے کہ شرق فی الحقوق شرک اصغر ہے لیکن یہ اتنا اصغر بھی نہیں کہ انسان کو جہنم سے بچا سکے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شرک اکبر کی طرح یہ ہمیشہ کے لیے جنت کے دروازے بند نہیں کر دیتا بلکہ جہنم کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جانے کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔

تصور 8: شرک اصغر شرک اکبر میں کیسے تبدیل ہوتا ہے؟

2. شرک اصغر شرک اکبر میں کیسے تبدیل ہوتا ہے؟

شرک کا آغاز ہمیشہ گناہ کے ارتکاب سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ شرکِ اصغر شرکِ اکبر کی شکل اختیار کر کے رہتا ہے۔ اس ضمن مین دیگر مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ۔ گناہ کا ارتکاب:

اس مرحلہ میں انسان شرک اصغر یعنی شرک فی الاطاعت کا ارتکاب کرتا ہے

دوسرا مرحلہ۔ گناہ پر اطمنان حاصل کرنے کی کوشش:

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک ملامت کرنے والا نفس بھی رکھا ہے جو اچھائی اور برائی کی پہچان رکھتا ہے۔ اسے قرآن نفس لوّامہ اور حرف عام میں ضمیر کہا جاتا ہے۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا کسی فرض کی ادائگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہی ضمیر اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اس بے اطمنانی کی کیفیت سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کی انسان گناہ کو ترک کرے اور جن امور کا اس کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی بجا آوری کرے۔ لیکن وہ اگر ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے ضمیر کو جھوٹی وضاحتیں پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

تیسرا مرحلہ۔ انکار:

اس کے بعد کی سٹیج بہت خطرناک ہے کیونکہ اگر وہ اسی ڈگر پہ چلتا رہا تو آخر کار اسے ایسے علماءِ سوء ضرور مل جائیں گے جو اس پر سے شریعت کا حکم ہی ساقط کر دیں گے۔ اب وہ صرف جھوٹی وضاحتیں پیش نہیں کرے گا بلکہ سرے سے اس حکم کا ہی انکار کر دے گا۔ اس مقام پر وہ اللہ کی صفت الحکم اپنے نفس یا اس عالم سوء کو دے کر شرک اکبر یعنی شرک فی الصفات کا مرتکب ٹھہرے گا جس کی کوئی بخشش نہیں۔

3. شرک سے بچاؤ کا طریقہ

اس ضمن میں ہمیں نہایت واضح اور سادہ ہدایات دے دی گئی ہیں۔ ہمیں بس اس شخص کا اسوہ اپنانا ہے جس کو اللہ نے بار بار قرآن میں یہ سرٹیفیکیٹ دیا ہے کہ 'ما کان من المشرکین'۔ ان کے اس اسوہ کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

۔۔۔۔۔إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ(131) [بقرۃ]

۔۔۔جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔

یعنی سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ جہاں حکم سامنے آجائے وہیں پر بغیر سوچے سمجھے سر تسلیم خم کر لو۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس سے شرک سے نجات مل سکتی ہے ورنہ ہوس چھپ چھپ کہ سینوں میں تصویریں بنا کر رہے گی۔ سورۃ الزمر شرک فی العبادہ کو سمجھنے کے لیے ایک جامع سورت ہے اس میں شرک فی العمل کی مختلف صورتوں کو رد کیا گیا ہے۔ قارئین کے لیے اس کا تفصیلی مطالعہ مفید ہو گا۔

ایمان بالآخرت

تصور 1: ایمان بالآخرت کا تعارف

ایمان باللہ کو سمجھنے کے بعد ایمان کے دوسرے بڑے رکن ایمان بالآخرت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر نظریاتی لحاظ سے ایمان باللہ سب سے اہم ایمان ہے تو عملی لحاظ سے دیکھا جائے تو ایمان بالآخرت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان بالآخرت کی درستگی کے بغیر کردار اور عمل کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس ضمن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کے کردار اسی لیے بلند تھے کہ ان کا ایمان بالآخرت درست تھا۔ ذیل میں چند صحابہؓ کا ایمان بالآخرت سے متعلق نظریہ پیش کیا گیا ہے:

صحابہؓ کا ایمان بالآخرت

معاذ بن جبلؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے، ایک روز صبح کے وقت جب لشکر اسلام منزل مقصود کی طرف روانہ ہو رہا تھا، معاذ رسول اللہ ﷺ کے قریب تھے، پوچھا:

يَا رَسُولَ اللهِ، إِئْذَنْ لِي أَسْأَلُكَ عَنْ كَلِمَةٍ قَدْ أَمْرَضَتْنِي وَأَسْقَمَتْنِي وَأَحْزَنَتْنِي. فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَلْنِي عَمَّ شِئْتَ. قَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، حَدِّثْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ لَا أَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ غَيْرِهَا. قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَخٍ بَخٍ لَقَدْ سَأَلْتَ بِعَظِيمٍ، لَقَدْ سَأَلْتَ بِعَظِيمٍ، ثَلَاثًا

'مجھے اجازت دیں کے میں ایک مسئلے کے بارے میں آپ سے پوچھوں جس نے مجھے مریض بنادیا ہے، شدید بیمار کر دیا ہے، شدید غمگین کر دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسا عمل بتایئے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے، فرمایا خوب خوب خوب تم نے بہت بڑی بات پوچھی (تین دفعہ)؛ لیکن جس کو خدا توفیق دے اس پر آسان بھی ہے۔۔

- شرک نہ کرو
- عبادت کرو
- نماز پڑھو
- زکوٰۃ دو
- رمضان میں روزے رکھو
- حج کرو

پھر فرمایا خیر کے کچھ دروازے ہیں میں تم کو بتاتا ہوں:

- روزہ جو سپر کا حکم رکھتا ہے
- صدقہ جو آتش معصیت کو پانی کی طرح بجھا دیتا ہے
- نماز جو رات کے حصوں میں پڑھی جاتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی، تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (یعلمون تک)

پھر فرمایا کہ اسلام کے سر اور عمود اور چوٹی کی خبر دیتا ہوں

- سر اور پاؤں تو نماز ہے
- اور کوہان کی چوٹی جہاد

پھر ارشاد ہوا کہ ان تمام باتوں کی بیخ و بن صرف ایک چیز ہے،

- زبان اس کو روکو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا

حضرت معاذؓ نے سوال کیا کہ کیا جو کچھ ہم بولتے ہیں اس پر مواخذہ ہو گا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثکلتك امك یا معاذ! بہت سے لوگ صرف اسی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

[مسند احمد، 21641]

اس حدیث میں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ معاذ ابن جبلؓ جو ایک عظیم صحابی تھے کا ایمان بالآخرت سے متعلق نظریہ کیا تھا۔ ساری زندگی انہوں نے اللہ کے دین کے لیے کھپائی اور اس واقع میں بھی وہ دین کی عظیم ترین ذمہ داری جہاد فی سبیل اللہ ادا کر کے واپس لوٹ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ آخرت میں ناکامی کا خوف رکھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح مندرجہ ذیل اقوال صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم ان کے آخرت سے متعلق نظریے کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ جاننا بالکل بھی مشکل نہیں رہتا کہ ایمان بالآخرت کا براہ راست عمل پر گہرا اثر پڑتا ہے:

- ۔۔۔ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)
- حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک پرندے کو بیٹھا دیکھ کر کہا تیرے لئے کتنی خیر ہے پرندے، تو پھل کھاتا ہے اور درخت پر بیٹھتا ہے کاش! میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھالیتے۔[کتاب الزہد لابن المبارک، ۲۴۰]
- عبداللہ بن عامرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کاش! میں ایک تنکا ہوتا-کاش! میں پیدا نہ ہوتا کاش میں بھولا بسرا ہوتا-[کتاب الزہد لابن المبارک، ۲۳۴]
- حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میری خواہش ہے کہ میں اپنے گھر کا ایک مینڈھا ہوتا، گھر میں کوئی مہمان آتا اور مجھے ذبح کر دیا جاتا اور گھر والے مجھے کھالیتے-[کتاب الزہد لابن المبارک، ۲۳۸]
- حضرت عایشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کاش! میں ایک درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا ک۔۔[کتاب الزہد للو کیع۔۱۴۱، طبقات الکبریٰ۔۷۵]

اس تعارف کے بعد اب ہم ایمان بالآخرت پر عقلی دلائل کو سمجھیں گے۔

تصور2:ایمان بالآخرت کے عقلی دلائل

1. ایمان بالآخرت: عقلی دلائل

دلیل۱:

قرآن معجزہ ہونے کی حیثیت سے صرف اللہ تعالیٰ کے وجود، واحدانیت اور شناخت پر ہی مبرہن دلیل نہیں ہے بلکہ دیگر ایمانیات پر بھی ایک مبرہن دلیل ہے۔ چنانچہ قرآن اس پر بھی شاہد ہے کہ:

- آخرت واقع ہو کر رہے گی
- انبیاء والرسل (علیہم السلام) اللہ کے پیغمبر تھے جن پر جبرائیلؑ وحی لے کر اترتے رہے
- سابقہ آسمانی کتابیں تورات، انجیل، نازل ہوئیں تھیں
- ملائکہ کا وجود برحق ہے
- تقدیرِ خیر و شر برحق ہے

اور قرآن کی شہادت کیونکر سچی ہے؟ کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور جس کی حقانیت کی دلیل خود اللہ چیلنج کے طور پر پیش کرتا ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لائو۔ اور چونکہ یہ چیلنج آج تک پورا نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی ازروئے قرآن پورا کیا جاسکتا ہے (بقرہ، ۲۴)، تو ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن اور اس کا ایک ایک لفظ برحق ہے۔

دلیل۲:

اس ضمن میں دوسری بڑی دلیل مندرجہ ذیل طریقے سے حاصل کی جاسکتی ہے:

a) پہلا مرحلہ کائنات (آیات آفاقیہ) پر غور

کائنات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر چیز بامقصد پیدا کی گئی ہے۔

b) دوسرا مرحلہ: آیات انفس پر غور

انسان کے اندر نفس حیوانی کے علاوہ ایک ملامت کرنے والا نفس 'نفس لوّامہ' بھی موجود ہے جسے اچھائی برائی کی تمیز حاصل ہے۔ یہ اچھائی کرنے پر حوصلہ افزائی اور برائی کرنے پر ملامت کرتا ہے۔ اس نفس لوامہ کا کیا مقصد ہے؟

اچھائی کی پہچان اسی لیے دی گئی ہے کہ اچھائی کا صلہ ملے اور برائی کی پہچان اسی لیے دی گئی ہے کہ برائی کی سزا ملے۔ لیکن اس دنیا میں تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ اکثر اس کے برعکس ہی ہوتا ہے۔

c) مندرجہ بالا حقائق سے استخراج

جب ہم مندرجہ بالا حقائق کو مد نظر رکھتے ہیں تو با آسانی اس نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی ایسی عدالت ضرور ہونی چاہیے جہاں مکمل انصاف مل سکے۔ چنانچہ اس طرح بھی ہم نفس لوامہ کی بنیاد پر آخرت پر اپنے ایمان کو ثابت کرسکتے ہیں۔

اس ضمن میں اکثر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ نفس لوامہ کا کوئی حقیقی وجود نہیں بلکہ یہ معاشرے کی اقدار ہوتی ہیں جن کی بنا پر ایک فرضی کردار ہمارے ذہن میں بن جاتا ہے۔ اس کا جواب ہم ہلاک کی گئی قوموں کے کھنڈرات سے حاصل کرسکتے ہیں۔ ان کھنڈرات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام میں اس کے باوجود کہ ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا بنیادی انسانی اچھی اقدار ملتی جلتی تھیں۔ اگر اچھائی اور برائی کا انحصار معاشرے پر ہوتا تو ان قوموں میں یہ اقدار بالکل مختلف ہونا چاہیے تھیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ نفس لوامہ کا جداگانہ وجود برحق ہے اور اس کی بنا پر آخرت کے وجود پر ایک واضح دلیل ہمیں مل جاتی ہے۔

d) قرآن سے اس حقیقت کا ادراک

اللہ تعالی قرآن میں ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ایک شخص اگر کائنات کی تخلیق اور پھر اس میں موجود ہر شے کے بامقصد ہونے پر غور و فکر کرے تو وہ آخرت کا ادراک حاصل کر سکتا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) [آل عمران]

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں اُن ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اسی طرح سورۃ قیامہ میں نفس لوّامہ کو آخرت پر ایک بڑی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عقلی لحاظ سے ایمان باللہ تک رسائی آیات آفاقیہ سے ممکن ہے پر ایمان بالآخرت تک رسائی کے لیے آیات انفس بھی ضروری ہیں۔

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (۱) وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۲) أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ (۳) بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (۴) [القیامہ]

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت پر ایمان لانے کے لیے انفس میں تفکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ فرماتے ہیں:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ (۸) [الروم]

کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں برحق اور ایک مقرّر مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کوئی اپنے باطن میں غور و فکر کرے تو اسے نفس لوّامہ کا سراغ لگانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اور اس نفس کا صرف ایک ہی مقصد سمجھ میں آتا ہے کہ ہمیں اچھائی اور برائی کا ایک دن خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

2. ایمان بالآخرت کا ہمہ گیر تصور

جیسا کہ ہم نے ایمان باللہ کے ہمہ گیر تصور کو سمجھنے کے لیے اس کے متضاد تصور شرک کو سمجھا تھا۔ اسی طرح ایمان بالآخرت کے ہمہ گیر تصور کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم آخرت کے انکار کی صورتیں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آخرت کے انکار کی دیگر صورتوں کی دو بڑی اقسام ہیں:

1. انکار: یعنی کوئی شخص واضح طور پر آخرت کا انکار کر دے یا اس کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔ اس میں بھی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔
   a) واضح انکار
   b) گمان
2. انکار مع الاقرار: یعنی کوئی شخص آخرت کا انکاری تو نہیں ہے لیکن اس نے ایسا نظریہ اپنا لیا ہے کہ آخرت اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی پھر مزید پانچ قسمیں ہیں:
   a) شفاعت کا غلط تصور
   b) نسلی یا مذہبی امتیاز
   c) رحمت الٰہی کا غلط تصور
   d) ہدایت کا غلط تصور
   e) توفیق کا غلط تصور

تصور3: آخرت کا واضح انکار یا اس کے بارے میں گمان

1. انکار

یہ آخرت کے انکار کی واضح ترین صورت یہ ہے کہ کوئی شخص آخرت کے وجود سے ہی انکار کر دے۔ اب ظاہر ہے ایسے شخص کی اصلاح ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ آخرت کا وجود ہی نہیں تو اسے کیا پڑی ہے کہ اچھے اعمال کرے اور برائی سے رکے۔ گویا کہ اب اس کے پاس گناہ کا لائیسینس (license to sin) ہے جو چاہے کرتا رہے۔

قرآن میں اس قسم کے انکار کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں آج بھی موجود ہیں:

a) واضح انکار

اس طرح کے لوگوں کا ذکر بارہا قرآن میں آیا ہے۔ مثلاً اللہ فرماتے ہیں:

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۖ ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿٣﴾ [ق]

جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر زندہ ہوں گے؟) یہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ [جاثیہ]

اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے حالانکہ انہیں اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

b) گمان (جس کا نتیجہ بھی انکار ہی ہے)

اس طرح کے لوگوں کا ذکر بھی متعدد مقام پر قرآن میں آیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿٣٢﴾ [جاثیہ]

اور جب کہا جاتا تھا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے۔ ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا۔

2. انکار مع الاقرار

یہ آخرت کے انکار کی ایسی قسم ہے کہ اس میں انکار کرنے والے کو یہ اِحساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ انکار کر رہا ہے۔ اس کی پانچ بڑی صورتیں جو مسلم معاشروں میں رائج ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

تصور4: انکار مع الاقرار: شفاعت کا غلط تصور

a) **شفاعت کا غلط تصور**

اس قسم کے انکار کو سمجھنا جیسا کہ بیان ہوا مشکل ہے کیونکہ ایسا شخص بظاہر تو آخرت کا انکار نہیں کرتا۔ اس کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ آخرت ضرور قائم ہو گی لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ کچھ بزرگ اسے اللہ کے ہاں شفاعت کے ذریعے جہنم سے بچالیں گے۔ یہ اقرار مع الانکار کی صورت ہے جو آج امت مسلمہ میں بہت پھیل چکی ہے۔ اس کو ہم شرک کے موضوع میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔

اب ایسے شخص کی اصلاح نہیں ہو سکتی کیونکہ جب بزرگوں نے جنت میں داخل کروا ہی لینا ہے تو اچھائی کرنے کی ضرورت کیا ہے۔

منکرین آخرت نے تو آخرت کا انکار کر کے گناہ کا لائسینس حاصل کر لیا، ایسے حضرات شفاعت کے غلط تصور کے تحت یہ لائسنس لے لیتے ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس باطل عقیدہ کو بار بار رد کیا ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۱۸) [یونس]

اور اللہ کے سوا اس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکے اور نہ انہیں نفع دے سکے اور کہتے ہیں اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں کہہ دو کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اسے آسمانوں اور زمین میں معلوم نہیں وہ پاک ہے اور ان لوگوں کے شرک سے بلند ہے۔

اصل میں یہ ساری گمراہی چند احادیث کی بنیاد پر پھیلائی جا رہی ہے۔ جس میں سب سے اہم حدیث وہ ہے جو **صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب: اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن انبیاء اور دوسرے لوگوں سے کلام کرنا برحق ہے، میں موجود ہے:**

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، ان سے سعید بن ہلال العنزی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ بصرہ کے کچھ لوگ ہمارے پاس جمع ہو گئے۔ پھر ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اپنے ساتھ ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی لے گئے تاکہ وہ ہمارے لیے شفاعت کی حدیث پوچھیں۔ انس رضی اللہ عنہ اپنے محل میں تھے اور جب ہم پہنچے تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ملاقات کی اجازت چاہی اور ہمیں اجازت مل گئی۔ اس وقت وہ اپنے بستر پر بیٹھے تھے۔ ہم نے ثابت سے کہا تھا کہ حدیث شفاعت سے پہلے ان سے اور کچھ نہ پوچھنا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اے ابوحمزہ! یہ آپ کے بھائی بصرہ سے آئے ہیں اور آپ سے شفاعت کی حدیث پوچھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کا دن جب آئے گا تو لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ظاہر ہوں گے۔ پھر وہ آدم علیہاالسلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ ہماری اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں تم ابراہیم علیہاالسلام کے پاس جاؤ' وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ لوگ ابراہیم علیہاالسلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں' ہاں تم موسیٰ علیہاالسلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ سے شرف ہم کلامی پانے والے ہیں۔ لوگ موسیٰ علیہاالسلام کے پاس آئیں گے اور وہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں' البتہ تم عیسیٰ علیہاالسلام کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ چنانچہ لوگ عیسیٰ علیہاالسلام کے پاس آئیں گے وہ بھی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں' ہاں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں کہوں گا کہ میں شفاعت کے لیے ہوں اور پھر میں اپنے رب سے اجازت چاہوں گا اور مجھے اجازت دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ تعریفوں کے الفاظ مجھے الہام

کرے گا جن کے ذریعہ میں اللہ کی حمد بیان کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں۔ چنانچہ جب میں یہ تعریفیں بیان کروں گا اللہ کے حضور میں سجدہ کرنے والا ہو جاؤں گا تو مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ‘ جو کہو وہ سنا جائے گا۔ جو مانگو گے وہ دیا جائے گا۔ جو شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی۔ پھر میں کہوں گا اے رب! میری امت‘ میری امت ۔کہا جائے گا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لو جن کے دل میں ذرہ یا رائی برابر بھی ایمان ہو۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔ پھر میں لوٹوں گا اور یہی تعریفیں پھر کروں گا اور اللہ کے لیے سجدہ میں چلا جاؤں گا مجھ سے کہا جائے گا۔ اپنا سر اٹھاؤ کہو آپ کی سنی جائے گا‘ میں کہوں گا اے رب! میری امت‘ میری امت۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے کم سے کم تر حصہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی **جہنم سے نکال لو (فاٴخرجه من النار)**۔ پھر میں جاؤں گا اور نکالوں گا۔

پھر ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں امام حسن بصری کے پاس بھی چلنا چاہیئے‘ وہ اس وقت ابو خلیفہ کے مکان میں تھے اور ان سے وہ حدیث بیان کرنا چاہیئے جو انس رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کی ہے۔ چنانچہ ہم ان کے پاس آئے اور انہیں سلام کیا۔ پھر انہوں نے ہمیں اجازت دی اور ہم نے ان سے کہا اے ابو سعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے یہاں سے آئے ہیں اور انہوں نے ہم سے جو شفاعت کے متعلق حدیث بیان کی‘ اس جیسی حدیث ہم نے نہیں سنی۔ انہوں نے کہا کہ بیان کرو۔ ہم نے ان سے حدیث بیان کی جب اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اور بیان کرو۔ ہم نے کہا کہ اس سے زیادہ انہوں نے نہیں بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ جب صحت مند تھے بیس سال اب سے پہلے تو انہوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ باقی بھول گئے یا اس لیے بیان کرنا نا پسند کیا کہ **کہیں لوگ بھروسہ نہ کر بیٹھیں**۔

ہم نے کہا ابو سعید! پھر ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے۔ آپ اس پر ہنسے اور فرمایا انسان بڑا جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر ہی اس لیے کیا ہے کہ تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں ۔انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح تم سے بیان کی (اور اس میں یہ لفظ اور بڑھائے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں چوتھی مرتبہ لوٹوں گا اور وہی تعریفیں کروں گا اور اللہ کے لیے سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ اللہ فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ جو کہو گے سنا جائے گا جو مانگو کے دیا جائے گا‘ جو شفاعت کرو کے قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا اے رب! مجھے ان کے بارے میں بھی اجازت دیجئیے جنہوں نے لا الہٰ الا اللہ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری عزت‘ میرے جلال‘ میری کبریائی‘ میری بڑائی کی قسم! اس میں سے انہیں بھی نکالوں گا **(لاٴخرجن منها)** جنہوں نے کلمہ لا الہٰ الا اللہ کہا ہے۔

چنانچہ اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کے نتیجے میں روز محشر سے ہی نجات کا پروانہ نہیں مل جائے گا جیسا کہ عام تصور ہے بلکہ اگر شفاعت قبول ہو بھی جاتی ہے تو جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد ہی شفاعت محمدی ﷺ سے جنت میں داخلہ نصیب ہو گا۔

مسئلہ شفاعت سے متعلق دیگر احادیث میں یہی مضمون تفصیلاً آیا ہے۔ اس ضمن میں چند آحادیث مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ يَقُولُ سُوْرَةٌ إِنَّ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ لأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي سُوْرَةٌ [ابن ماجه، کتاب الزهد]

جابرؓ سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: "بیشک میری شفاعت قیامت والے دن میری امت کے ان لوگوں کے لیے ہو گی جو کبیرہ گناہ کیا کرتے تھے۔"

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم سُوْرَةٌ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لاَ يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ سُوْرَةٌ. [صحيح بخاری، کتاب العلم]

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: 'یارسول اللہ ﷺ قیامت والے دن سب سے خوش قسمت انسانوں میں سے کون ہو گا جس کو آپ کی شفاعت نصیب ہو گی؟' آپ ﷺ نے جواب دیا: 'مجھے گمان تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس حدیث سے متعلق مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں نے تمہارا حدیث سیکھنے کے حوالے سے شوق دیکھا ہے۔ خوش قسم ترین انسان جو قیامت والے دن میرِ شفاعت کا حق دار ٹھہرے گا وہ ہے جو قلب کی گہرایوں سے خالصاً یہ اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔'

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ۔ رضی اللہ عنہما۔عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار]

عمران بن حُصَینؓ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: 'ایک گروہ جہنم سے محمد ﷺ کی شفاعت سے باہر نکالا جائے گا اور جنت میں داخل ہو گا، ان کا نام جہنمیّین ہو گا۔

ان آحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت محمدی ﷺ کے نتیجے میں اگر وہ قبول ہو گئی (جس کی لازمی شرط صدق دل سے کلمہ کا اقرارہ اور شرک سے اجتناب ہے) تو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس سے مراد میدان حشر سے نکال کر جنت میں داخل کرنا نہیں ہے جیسا کہ عام تصور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر شفاعت محمدی ﷺ قبول بھی ہو گئی تو گنہگاروں کو جہنّم میں اپنی سزا پوری کرنی پڑے گی۔

تصور5: انکار مع الاقرار: نسلی یا مذہبی امتیاز

b) نسلی یا مذہبی امتیاز کا غلط تصور

اس ضمن میں دوسری بڑی صورت کسی شخص یا قوم کا نسلی یا مذہبی امتیاز ہے جو اس نے خود گھڑ لیا ہو۔ بنی اسرائیل اپنے نسلی امتیاز کی بنا پر یہ سمجھتے تھے کہ ان کے گناہوں کے باوجود اللہ ان کو بخش دے گا اور اگر سزا بھی ہو گی تو دوسروں کی بنسبت بہت تھوڑی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات کو شدت سے رد کیا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ(۱۸) [مائدہ]

اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے (نہیں) بلکہ تم اس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ(۲۴) [ال عمران]

یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن گنتی کے اور ان کی بنائی ہوئی باتوں نے انہیں دین میں دھوکہ دیا ہوا ہے۔

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ(۱۱۱) [بقرۃ]

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے باطل خیالات ہیں۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

آج اسی سے ملتی جلتی سوچ امت میں بھی پائی جاتی ہے کہ ہم کیونکہ اللہ کے محبوب رسول محمد ﷺ کی امت سے ہیں اس لیے اللہ اس مذہبی امتیاز کی وجہ سے ہمیں بخش دے گا یا ہمارے ساتھ دوسروں کے مقابلے میں ہلکا معاملہ ہو گا۔ ان آیات کی رو سے اس باطل نظریے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

تصور6: انکار مع الاقرار: رحمت الٰہی کا غلط تصور

c) **رحمت کا غلط تصور**

عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ ہم چاہے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہیں، اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ ہمیں بخش دے گا۔ اس باطل نظریے کی بھی اللہ تعالیٰ نے پرزور تردید فرمائی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۷۴) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (۱۷۵) [بقرة]

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر آگ اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں؟

چنانچہ ثابت ہوا کہ اللہ کی مغفرت اور اس کا عذاب دونوں برحق ہیں، یہ انسان کا عمل ہے جو اسے رحمت یا عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۱۸) [بقرة]

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور خدا بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی رحمت کو ایمان، ہجرت اور جہاد سے مشروط کیا ہے اور یہ تینوں کام کرنے والوں کو رحمت کا سچا امیدوار قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ ان تینوں شرائط کو پورا کیے بغیر رحمت کی امید بے فائدہ ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۱) [ال عمران]

اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

یہاں بھی اللہ کی محبت اور اس کی رحمت اتباع رسول ﷺ سے مشروط ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا (۴۸) [نساء]

خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ شرک کرنے والے کو اللہ کی رحمت کی امید نہیں رکھنی چاہیے الا یہ کہ وہ توبہ کرے۔

غرضیکہ کہ ایک بھی قرآنی آیت یا صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کی رحمت غیر مشروط طور پر ملنے کی بات کی گئی ہو اور اگر کوئی ایسا نہیں مانتا تو اس سے بھی پھر یہی مطالبہ ہے جیسا کہ بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا کہ: هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو)۔۔۔

رہی بات ان احادیث کی جن میں چھوٹے چھوٹے اعمال پر جنت کی بشارت دی گئی ہے جیسے نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والی حدیث (مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 128، حدیث 16923) یا کلمہ طیبہ پڑھنے والی حدیث (بخاری، کتاب الایمان) تو ان کا یہ مطلب لینا سخت گمراہی ہے کہ ان احادیث میں بیان کیے گئے عمل کے علاوہ کوئی عمل نہ بھی کیا جائے تو جنت پکی ہے۔ ان احادیث میں تو سارے اراکین تک کا ذکر نہیں ہوا تو کیا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ نہ روزہ رکھا جائے، نہ حج کیا جائے اور نہ ہی زکوۃ دی جائے تب بھی جنت مل جائے گی؟ ان احادیث میں دراصل رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم سے مخاطب ہیں جو باقی سارے اعمال بھی سرانجام دے رہے ہوتے تھے، اس لیے مراد یہ تھی کہ ان کو اضافی طور پر اچھے اعمال کی ترغیب دلائی جائے۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں نے ان احادیث کو کل دین کا مترادف سمجھ لیا ہے۔

تصور 7: انکار مع الاقرار: ہدایت یا توفیق کا غلط تصور

d) توفیق کا غلط تصور

اس حوالے سے عام نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی میں اللہ کے حکم پر چلنے کی رغبت نہیں ہے تو اصل میں اسے اللہ نے اس کی توفیق یا ہدایت ہی نہیں دی ہوئی۔ چنانچہ اکثر کسی بے عمل کو اگر عمل کی دعوت دی جائے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ دعا کریں اللہ توفیق یا ہدایت دے۔ یہ بالکل غلط تصور ہے۔ توفیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو صحت دی ہے، اس کے گھر کے پاس مسجد موجود ہے، وضو کے لیے پانی موجود ہے، اذان سننے کے لیے کان ہیں، راستے پر چلنے کے لیے پاؤں ہیں وغیرہ اب اگر وہ پھر بھی نماز نہیں پڑھ رہا تو اس کی اپنی ہٹ دھرمی ہے توفیق یا ہدایت کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس تصور کو بھی اللہ تعالیٰ نے رد کیا ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۱۴۸) [انعام]

اب مشرک کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا کہہ دو تمہارے ہاں کوئی ثبوت ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ تم فقط خیالی باتوں پر چلتے ہو اور صرف تخمینہ ہی کرتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے یا کسی کے باپ دادے نے شرک کیا ہے تو وہ خود ذمہ داران ہیں۔ ان کے پاس اللہ پر الزام دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

e) **ہدایت کا غلط تصور**

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (٥٣) وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (٥٤) وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (٥٥) أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ (٥٦) أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (٥٧) [زمر]

(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آواقع ہو، اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو۔ کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر خدا مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی نے قیامت والے دن یہ عذر پیش کیا کہ اگر اللہ ہدایت دیتا تو وہ متقی بن جاتا، تو اس عذر کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

تصور 8: آخرت کے انکار کا سب سے بڑا سبب اور ہمارے لیے ایک بڑا سوال

3. آخرت کے انکار کا سبب سرکشی کی روش سے باز نہ آنا ہے

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آخرت ایک ایسی مبرہن حقیقت ہے کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں بنتی۔ دراصل اس کا انکار اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اس تصور کو قبول کرنے کے بعد شریعت کی پابندیاں قبول کرنا پڑیں گی جو کسی کو بھی قابل قبول نہیں ہے (الا ماشاء اللہ)۔ یہی سرکش طبیعت دراصل آخرت کے انکار کی ایک بڑی صورت ہے۔

أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (١) وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (٢) أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ (٣) بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (٤) بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ (٥) [القیامہ]

ہم کو روز قیامت کی قسم۔ اور نفس لوامہ کی (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں۔ مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے کو خود سری کرتا جائے۔

اس بات کو سورۃ القلم میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (١) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٢) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (٣) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (٤) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (٥) كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ (٦) أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ (٧) إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ (٨) [القلم]

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ ہر گز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے۔ اِس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔ پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔

ایمان بالکتاب

تصور 1: ایمان بالکتاب کا تعرف

ایمان بالآخرت کے بعد اب ہم ایمان کے ایک اور اہم رکن ایمان بالکتاب کو سمجھیں گے۔ ایمان بالکتاب کی ہمارے لیے یہ اہمیت ہے کہ قرآن اللہ کی آخری آسمانی کتاب اور معجزہ ہونے کی حیثیت سے اب وہ حتمی مبرہن دلیل ہے جو دیگر ایمانیات کو عقلی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم قرآن سمیت سابقہ تمام کتب سماویہ پر ایمان لائیں۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ [بقرۃ،۲۸۵]

رسول ﷺ اُس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اِس رسول کے ماننے والے ہیں، انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں **اور اس کی کتابوں** اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ: "ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔

1. ایمان بالکتاب: عقلی دلائل

امت مسلمہ کے لیے تو جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس رکن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ قرآن مجید کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بذات خود معجزہ ہونے کی وجہ سے مبرہن دلیل ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ:

c) اگر قرآن نہ ہوتا تو حقیقت حق تک رسائی ناممکن تھی

d) اس کائنات میں گر کوئی حتمی دلیل ہے جو بیک وقت اللہ کے وجود، اسکی واحدانیت اور اس کی شناخت کو ثابت کر سکے تو وہ قرآن ہی ہے۔

e) رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان کا کردار اس طرح سے تو اب دلیل نہیں رہا جس طرح ان کی زندگی میں تھا پر ان کی کتاب اور ان کا معجزہ یعنی قرآن آج بھی موجود ہے جو اتمام حجت کے لیے کافی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ نے ایک فرمان میں ان لوگوں کے ایمان کو 'اعجب' (خوبصورت) ایمان قرار دیا جو ان کے بعد آئیں گے اور اس قرآن کے ذریعے ان پر ایسے ایمان لائیں گے جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم لائے تھے۔

ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا ایمان افروز سوال کیا: اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا ؕ "تمہارے نزدیک کس مخلوق کا ایمان سب سے خوبصورت (یا قابلِ رشک) ہے؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! فرشتوں کا"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ "وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اللہ کی حضوری میں ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "(یارسول اللہ!) انبیاء اکرام کا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ ؕ "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ ان پر وحی اترتی ہے؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معصومیت بھرے انداز سے) عرض کیا: "(یارسول اللہ!) پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہو گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ ؕ

"کیا تم (اب بھی) ایمان نہ لاؤ گے جبکہ تمہارے سامنے ہر وقت میرا سراپا رہتا ہے؟"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلَا! اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا. "میرے نزدیک ساری کائنات میں سب سے خوبصورت (یا قابل رشک) ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد ہوں گے۔ وہ صرف اوراق پر لکھی ہوئی کتاب دیکھیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے۔"

[مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب ھذہ الامۃ، 584]

چنانچہ قرآن کا نازل ہونا، اسکا معجزہ ہونا اور 1400 سال کے بعد دشمنان اسلام کی شدید ترین دشمنی کے باوجود بھی اس کے چیلنج کا پورا نہ ہو سکنا وہ حقائق ہیں کہ آج اگر کوئی اللہ پر ایمان نہیں لاتا تو:

- **اس کے پاس کوئی دلیل نہیں**

وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (۱۱۷) [مومنون]

اور جو شخص خدا کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے، جس کی اس کے پاس کچھ بھی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ کافر کامیابی نہیں پائیں گے۔

وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (۷۵) [قصص]

اور ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہ نکال لیں گے پھر کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ سچ بات اللہ کی ہے اور جو کچھ وہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

- **اس کو ایسا کرنے کا حق ہی نہیں [جاثیہ:6][3]**

تِلْكَ آيَاتُ اللَّـهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّـهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ [الجاثیہ]

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ تو یہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ؟

تصور 2: کلام کا متکلم سے اور خالق کا مخلوق سے تعلق اور قرآن کا اللہ کی صفت کلام کی ایک تجلی ہونا

2. ایمان بالکتاب: ہمہ گیر تصور

قرآن کے بارے میں یہ بات تو مسلم ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن اللہ کے کلام ہونے کی حیثیت سے اس کی اصل حقیقت کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دو مختلف قسم کے تعلقات کو اچھی طرح سمجھ لیں:

- کلام اور متکلم کا تعلق
- خالق اور مخلوق کا تعلق

ان تعلقات کو ہم ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ایک بڑھئی کی مثال لے لیں جو ایک کرسی بناتا ہے۔ بڑھئی نے کرسی بنانے سے پہلے اس کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کیا اور پھر اس خاکے کے تحت کرسی کو بنا دیا۔ جب تک کرسی کا خاکہ بڑھئی کے ذہن میں بنا رہا، اس وقت تک یہ اس کے علم کا حصہ تھا۔ اور علم کے بارے میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ عالم کی صفت کا حصہ ہوتا ہے اور صفت اور اس کا کوئی بھی حصہ اس کی ذات سے جدا نہیں ہوتا۔ اس علم کے بارے میں بڑھئی 'کرسی بنانے کا طریقہ' کے نام سے کتاب بھی لکھ سکتا ہے یا تقریر کے ذریعے بھی وہ اس علم کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس علم کے اظہار کو کلام کہا جاتا ہے جو کسی متکلم کی صفت کلام کا حصہ ہوتا ہے۔ اب کوئی علم ہو یا کلام دونوں صفات کے حصے ہی رہیں گی اور عالم یا متکلم کی ذات سے جدا نہیں ہوں گے۔ بلکہ علم کے مقابلے میں کلام میں متکلم کی شخصیت کا عکس زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام کے ذریعے متکلم کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور بعض مردم شناس لوگ تو چند جملوں سے ہی شخصیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

اب جب اس خاکے کے تحت کرسی وجود میں آگئی تو یہ کرسی صفت نہیں رہی بلکہ مخلوق بن کر بڑھئی کی ذات سے جدا ہو گئی۔ ہاں بڑھئی کی چند صفات کا عکس کرسی میں ضرور باقی رہ گیا۔

چنانچہ اس مثال سے ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں کہ:

- کلام علم کا اظہار ہوتا ہے
- کوئی بھی علم کسی عالم کی صفتِ علم کا ایک حصہ ہوتا ہے
- کوئی بھی کلام کسی متکلم کی صفتِ کلام کا ایک حصہ ہوتا ہے
- صفتِ علم یا اس کا کوئی بھی حصہ عالم کی ذات سے جدا نہیں ہوتا

- صفت کلام یا اس کا کوئی بھی حصہ متکلم کی ذات سے جدا نہیں ہوتا
- کلام میں تحریف بھی ہو سکتی ہے ایسی صورت میں پھر یہ ذات سے جدا ہو جائے گا لیکن اگر تحریف سے پاک رہے تو ذات سے جدا نہیں ہو گا
- علم کا وہی مرتبہ اور عزت ہو گی جو عالم کی ہے
- کلام کا وہی مرتبہ اور عزت ہو گی جو متکلم کی ہے بشرطیکہ کلام میں کوئی تحریف نہ ہوئی ہو
- مخلوق خالق کی ذات سے جدا ہوتی ہے
- مخلوق کا کبھی بھی وہ مرتبہ یا عزت نہیں ہو سکتی جو خالق کی ہے

اب ان تمام حقائق کو سمجھنے کے بعد قرآن پر غور کریں تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

- قرآن اللہ کا کلام ہے
- قرآن اللہ کا کلام ہونے کی حیثیت سے اللہ کی صفت کلام کا ایک حصہ ہے
- قرآن اللہ کی صفت کلام کا ایک حصہ ہونی کی وجہ سے اس کی ذات سے جدا نہیں ہے

تصور 3: قرآن کا اصل مقام و مرتبہ اور اس کا اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہونا

a) قرآن کا اصل مرتبہ

مندرجہ بالا سب حقائق کو سمجھنے کے بعد بالآخر ہم اس عظیم حقیقت کا ادراک کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں کہ:

قرآن کا بین ہی وہی مرتبہ اور عزت ہے جو اللہ تعالی کی ہے

یہ اگر حاصل ہو جائے تو کوئی معمولی احساس نہیں ہے۔ اللہ تعالی جو مالک ارض و سماء ہیں، کن فیکون کی طاقت رکھنے والے ہیں، عرش عظیم کے مالک ہیں ان کا اصل مرتبہ اور عزت کیا ہے ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ تو اس حقیقت کا احساس کہ قرآن، جو ان کی ذات سے جدا نہیں ہے اور وہی مرتبہ اور عزت رکھتا ہے جو اللہ کی ہے، ہمارے درمیان موجود ہے ہمارے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس حقیقت کے ادراک کے بعد ہم شاید ان آیات کو کچھ نہ کچھ سمجھ سکیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود اس قرآن کے مرتبے کو واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (21) [حشر]

ترجمہ: ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ پہاڑ خوفِ خدا سے لرزاں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا اور ہم ان مثالوں کو انسانوں کے لئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ کچھ غور و فکر کر سکیں۔

قرآن کے اصل مرتبے کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ حشر میں ایک نہایت بلیغ مثال دی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قرآن کا انزال اگر کسی پہاڑ پر ہوتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

پہاڑ کے ریزہ ریزہ ہونے کے ضمن میں ایک اور واقعہ بھی قرآن میں ملتا ہے جب موسیٰؑ نے اللہ کو دیکھنے کی فرمائش کی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو سمجھانے کے لیے وہ کہ وہ ایسا نہیں کر پائیں گے اپنی ذات کی محض ایک تجلی پہاڑ پر ڈالی تھی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ(143) [اعراف]

جب وہ (موسیٰؑ) ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو انہوں نے التجا کی کہ "اے رب، مجھے اپنا دیدار کروا کہ میں تجھے دیکھوں" فرمایا «تو مجھے نہیں دیکھ سکتا ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا" چنانچہ ان کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑے جب ہوش آیا تو بولے "پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں"

چنانچہ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایک تجلی نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا جبکہ قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا ایک حصہ یا اس کی ایک تجلی ہے کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے کہ یہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ سکتا ہے۔ سبحان اللہ۔

b) قرآن کی تنزیل: اللہ کی عظمت اور رحمت کا بہت بڑا مظہر

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں قرآن میں یہی فرمایا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہیں:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ(54) [اعراف]

بیشک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور اس کے بعد عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے اور رات تیزی سے اس کے پیچھے آتی ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں اسی کے لئے خلق بھی ہے اور امر بھی وہ نہایت ہی صاحب برکت اللہ ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔

اس اعلیٰ اور ارفع مقام سے بے وقعت دنیا میں تشریف لانا اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔ قیامت والے دن جس پروٹوکول کے ساتھ اللہ رب العزت میدان حشر میں جلوہ افروز ہوں گے اس کا کچھ اندازہ ذکر سورۃ الحاقہ کے اس مقام سے لگایا جا سکتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ(15) وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ(16) وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ(17) [الحاقه]

ترجمہ: تو اس روز وقوع پذیر ہونے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہو گا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر (اُتر آئیں گے) اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ (عظیم) فرشتے اپنے سروں پر اُٹھائے ہوں گے۔

جیسا کہ بیان ہوا کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے اور یہ اسکی ذات سے جدا نہیں ہوتی۔ اب اگر ایک بادشاہ کا تصور کیا جائے جس کی حکومت ایک بڑے حصے پر قائم ہو، اور اس کا کلام چاہے عوام الناس کے لیے دیے گئے تحریری خطبے کی شکل میں ہو یا ان کے لیے وضع کیے گئے چند قوانین کی شکل میں ہو، تو کیا یہ بادشاہ اپنے اس کلام کو بوسیدہ کاغذوں پر لکھ کر بے وقعت قاصدوں کے ہاتھ لوگوں کو پہنچانا گوارا کرے گا؟

اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بادشاہ ایسی صورت میں قیمتی طوماروں (Scrolls) پر اپنے احکامات اور خطبات لکھوایا کرتے تھے اور ان کے کارندے ایک پروٹوکول کے ساتھ لوگوں تک یہ پیغام پروقار انداز میں پہنچایا کرتے تھے۔

جب یہ دنیا کہ چھوٹے بادشاہ اپنے کلام کی بے حرمتی برداشت نہیں کرتے تو کیا سب سے بڑا بادشاہ اپنے کلام کی بے حرمتی برداشت کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن میں واضح فرماتے ہیں کہ کسی بشر کا یہ مقام ہی نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ اور اس کی وجہ انہوں نے یہی بتائی ہے کہ وہ العلی اور الکبیر ہے۔ ظاہر ہے ایک بہت اعلیٰ ہستی کا ایک بے وقعت ہستی سے کلام کرنا اس کے شایان شان نہیں۔ ہاں اگر اس کی مشیعت کے مطابق ایسا ہوتا بھی ہے تو براہ راست نہیں ہوتا بلکہ اس کی تین بالواسطہ صورتیں ہیں:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (51) **[سورۃ شوریٰ]**

کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے روبرو بات کرے اُس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے، یا پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اُس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے، وحی کرتا ہے، وہ برتر اور حکیم ہے۔

یہ صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

- وحی (براہ راست قلب نبی میں پیغام کا پہنچنا)
- حجاب کے پیچھے سے (جیسے موسیٰؑ اور معراج کے موقع پر رسول ﷺ سے ہوا)
- فرشتے کے ذریعے (یعنی فرشتہ انسانی شکل میں آکر نبی کو پیغام پہنچادے)

جس طرح اللہ رب العزت کا اس سفلی دنیا میں تنزل اس کے شایان شان نہیں اسی طرح اس قرآن کا بھی تنزل بھی اس کے شایان شان نہیں بنتا۔ کیا اللہ کو معلوم نہیں تھا کہ انسان اس کی قدر نہیں پہچان سکیں گے اور اس کے عزت کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔ یقیناً اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے قرآن کا نزول فرمایا۔ اور اس کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا وہ ہمارے سامنے ہے۔

- سب سے پہلی بے حرمتی تو یہ ہوئی کہ اسے جھٹلایا گیا
- پھر اگر اس کو لکھا بھی گیا تو عام کاغذوں پر جو بوسیدہ ہوئے اور ان کو شہید کرنا پڑا
- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کفار کے ہاتھوں اس کی ایسی بے حرمتی ہوئی جسے بیان بھی نہیں کیا جا سکتا

ان تمام وجوہات کے باوجود اگر یہ قرآن نازل ہوا ہے تو یہ اللہ رب العزت کی عظمت اور اس کی رحمت کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی کے لیے یہ سب کچھ گوارا کیا۔

اپنی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر واضح کیا ہے جن میں دو مقامات یعنی سورۃ العبس اور سورۃ الواقعہ میں اس قرآن کے جھٹلانے والوں پر اللہ کا غضب واضح ہے۔

سورۃ العبس میں اللہ فرماتے ہیں ' قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ' (لعنت ہو انسان پر، کیسا سخت منکر حق ہے یہ) اور اس کے بعد انسان کی پیدائش کے وقت اس کی حیثیت اسے یاد دلائی۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (11) فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ (12) فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ (13) مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (14) بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (15) كِرَامٍ بَرَرَةٍ (16) قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (17) مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (18) مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (19) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (20) ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (21) ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ (22) كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ (23) [عبس]

ہر گز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اِسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں۔ بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں۔ معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ لعنت ہو انسان پر، کیسا سخت منکر حق ہے یہ۔ کس چیز سے اللہ نے اِسے پیدا کیا ہے؟۔ نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اِسے پیدا کیا، پھر اِس کی تقدیر مقرر کی۔ پھر اِس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی۔ پھر اِسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے وہ اِسے دوبارہ اٹھا کھڑا کرے۔ ہر گز نہیں، اِس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اِسے حکم دیا تھا۔

سورۃ الواقعہ میں بھی فرماتے ہیں کہ ' أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ، وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ' (پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو۔ اور اِس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اِسے جھٹلاتے ہو؟) اور پھر اس کے بعد انسان کی موت کے وقت اس کی حیثیت اسے یاد دلائی۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ (75) وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ (76) إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ (77) فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ (78) لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (79) تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (80) أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ (81) وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ (82) فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ (83) وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ (84) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ (85) فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ (86) تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (87) [الواقعه]

نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں ثبت۔ جسے مطہرین (پاک فرشتوں) کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو۔ اور اِس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اِسے جھٹلاتے ہو؟ تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے، اُس وقت تمہاری بہ نسبت ہم اُس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے۔ اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اِس خیال میں سچے ہو، اُس وقت اُس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟

چنانچہ ثابت ہوا کہ قرآن کے مقابلے میں انسان کی کوئی حیثیت نہیں انسان مخلوق ہے جبکہ قرآن اللہ کی صفت کلام کا ایک حصہ ہے اور اس کی ذات سے جدا نہیں ہے۔

قرآن کا اصل پروٹوکول کیا ہونا چاہیئے اس کا اندازہ اس منظر سے لگایا جاسکتا ہے جس کا مشاہدہ جنات نے کیا تھا اور جس کا ذکر سورۃ جن میں موجود ہے۔

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا (8) وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا (9) وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (10) [جن]

اور یہ کہ "ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہاب ثاقت کی بارش ہو رہی ہے"۔ اور یہ کہ "پہلے ہم سن گن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے، مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں ایک شہاب ثاقب لگا ہوا پاتا ہے"۔ اور یہ کہ "ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی برا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کا رب اُنہیں راہ راست دکھانا چاہتا ہے"۔

جنات نے نزول قرآن کے وقت جب آسمان کو ٹٹولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ محافظوں سے بھرا پڑا تھا اور شہاب ثاقب کی بارش ہو رہی تھی۔

ہم چاہے جتنا بھی کوشش کر لیں قرآن کو اس کا اصل پروٹوکول نہیں دے سکتے۔ بس یہی کر سکتے ہیں کہ اگر اس کو ہاتھ لگائیں تو وضو کی حالت میں لگائیں **اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس مقصد کے لیے اسے بھیجا گیا اور جس وجہ سے اللہ نے اسے نازل کرنا گوارا کیا ہے اس کو پورا کریں۔**

تصور4: نزول قرآن کا مقصد

c) قرآن کے نزول کا مقصد (ہدایت)

قرآن کے نزول کا مقصد از روئے قرآن بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ اس ضمن میں چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

الم (1) ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ **هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ** (2) [البقرۃ]

ال م۔ اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں، پرہیز گاروں کو راہ **دکھانے والی** ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي **هُدًى** فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (38) [البقرۃ]

ہم نے کہا کہ، "تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جب میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ **میری ہدایت** کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہو گا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ **هُدًى لِّلنَّاسِ** وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ ۔۔۔ (185) [البقرۃ]

رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے **سراسر ہدایت ہے** اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ **وَهُدًى** وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (57) [یونس]

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے **رہنمائی** اور رحمت ہے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ **وَهُدًى** وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ(64) [نحل]

ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت اِن پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں یہ کتاب **رہنمائی اور رحمت** بن کر اتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اِسے مان لیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ **وَهُدًى** وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ(89) [نحل]

(اے محمدؐ، اِنہیں اُس دن سے خبر دار کر دو) جب کہ ہم ہر امت میں خود اُسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اُس کے مقابلے میں شہادت دے گا، اور اِن لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم آپ کو لائیں گے اور (یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ) ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور **ہدایت و رحمت** اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا **وَهُدًى** وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ(102) [نحل]

اِن سے کہو کہ اِسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات **میں سیدھی راہ بتائے** اور اُنہیں فلاح و سعادت کی خوش خبری دے۔

تصور 5: قرآن کے ذریعے اللہ سے کلام کرنے کی سعادت نصیب ہونا اور اس کے ذریعے اللہ کی پہچان

d) قرآن سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان

قرآن کیونکہ اللہ کا ایک کلام ہے اس لیے اس کے ذریعے ہمیں اللہ نے ایک اور شرف بھی بخش دیا ہے کہ وہ ہم سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ کسی سے ہمکلام ہو جائیں تو اس کی ذات کی پہچان آپ کو حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی کی شخصیت یا ذات کو جاننے کے لیے کیا معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے؟۔ نام، عمر، جنس، جگہ، کام، اولاد، خاندان، تعلق، پسند ناپسند وغیرہ۔ اب آیئے یہ سب سوال ہم قرآن سے پوچھ کر دیکھتے ہیں:

آپ کا نام کیا ہے؟

جواب:۔۔۔۔۔قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ۔۔۔۔ [اسراء:110]

اے نبیؐ، اِن سے کہو، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اُس کے لیے سب اچھے ہی نام ہیں۔۔۔۔۔

آپ کی جنس کیا ہے؟ اپنی اولاد اور خاندان کے بارے میں بتائیں؟

جواب: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ(1) اللَّهُ الصَّمَدُ(2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ(3) وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ(4) [الخلاص]

کہو، وہ اللہ ہے، یکتا(1) اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں(2) نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد(3) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے(4)

آپ کی عمر کتنی ہے؟

جواب:۔۔۔۔۔ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۔۔۔۔ [البقرۃ:255] [3]

اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔۔۔

آپ کرتے کیا ہیں؟

جواب:۔۔۔۔۔ يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ(29) [رحمٰن] [4]

زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہیں سب اپنی حاجتیں اُسی سے مانگ رہے ہیں ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔[رحمٰن،۲۹]

آپ کی پسند ناپسند کیا ہے؟

جواب:۔۔۔۔۔۔ پسند: عمل صالح[۲:۱۹۶]، طہارت[۲:۲۲۳]، تقویٰ[۳:۷۷]، صبر[۳:۱۴۷]، توکل[۳:۱۶۰]، اخلاق اور حسن سلوک[۵:۱۴]، عدل[۵:۹۴]، نیکی [۹:۴]، فرائض کو پورا کرنا[۹:۷]، برابری[۶۰:۹]، جہد و قتال[۶۱:۵] وغیرہ۔

ناپسند: حد سے گزرنا[۲:۱۹۱]، ضد اور ہٹ دھرمی[۲:۲۰۶]، کفر[۳:۳۳]، ظلم[۳:۵۷] وغیرہ

آپ نے ہمیں کیوں تخلیق کیا؟

جواب:۔۔۔۔۔۔۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ(56) [ذاریات:۵۶] [5]

اور ہم نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

روح کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔۔۔۔۔۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا(85) [اسرائ] [6]

یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں کہو "یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

غرضیہ کہ سوال کرتے جایئے اور جواب آتا جائے گا اور اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ آپ کا ایک گہرا رشتہ بھی استوار ہوتا جائے گا۔

قرآن کے اس اہم وصف کو علامہ اقبال نے کیا خوب واضح کیا ہے:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است

ایں کتابی نیست چیزی دیگر است

صاف ہی کہہ دیتا ہوں جو میرے دل میں مضمر ہے۔ یہ کتاب نہیں ہے کوئی اور شے ہے

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود

جاں چو دیگر شد جھاں دیگر شود

جب یہ کسی جان میں سرایت کرتا ہے تو جان تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جب جان تبدیل ہوتی ہے تو جہاں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

مثل حق پنھاں و ھم پیداست ایں

زندہ و پایندہ و گویاست ایں

حق (اللہ تعالیٰ) کی طرح یہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اور حق کی طرح یہ بھی حیّ القیوم ہے اور یہ باتیں کرتا ہے۔

تصور6: ایمان بالقرآن کے تقاضے

3. ایمان بالقرآن کے تقاضے

قرآن کا مرتبہ اور اس کے نزول کا مقصد سمجھنے کے بعد اس پر ایمان لانے کے مندرجہ ذیل تقاضے امت کے ہر فرد پر پر عائد ہوتے ہیں:

a) ایمان اور تعظیم

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (۲۸۵) [بقرۃ]

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری (قرآن) اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے، انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

b) تلاوت اور ترتیل

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۱۲۱) [بقرۃ]

- تجوید سے پڑھنا:

قران مجید کے حروف کی شناخت، ان کے مخارج کا صحیح علم، قرآن کے رموز و اوقاف کا جاننا سب علم تجوید کا حصہ ہے

روزانہ کا معمول: کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ دن۔ اوسطاً جس پر صحابہؓ عمل پیرا تھے: ۷ دن

- خوش الحانی سے پڑھنا:

زَيِّنُوا القُرآنَ بِأَصوَاتِكُم۔ [ابوداؤد]

مَن لَّم يَتَغَنَّ بِالقُرآنِ فَلَيسَ مِنَّا۔ [ابوداؤد]

- ظاہری و باطنی آداب:

ظاہری: باوضو حالت، قبلہ رخ، ابتدا تعوذ سے کرنا

باطنی آداب: حضور قلب، خشوع و خضوع، انابت و رجوع، طلب ہدایت کی نیت اور اپنے کردار کی اصلاح کے مضبوط ارادے سے پڑھنا۔

- ترتیل:

قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون اور اطمنان کے ساتھ پڑھنا۔ [۔۔۔وَرَتِّلِ القُرآنَ تَرتِيلا۔ المزمل: ۱۔۴]

- حفظ:

زیادہ سے زیادہ قرآن حفظ کرنے کی کوشش کرنا جس کے بغیر تہجد میں ترتیل قرآن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، جو روح کی غزاء کے لیے نہایت مفید ہے۔

c) تذکر اور تدبر

- **تذکر:** [القمر: ۴۰، ۳۲، ۲۲، ۱۸]

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ۔ [قمر]

قرآنی عربی کا جاننا ضروری: تذکیر کے لیے قرانی عربی سیکھنا ناگزیر ہے۔ قرآن کی اتنی عربی سیکھنا کہ متن پڑھ کر رواں ترجمہ کیا جاسکے ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اور صلاحیتوں کو دنیاوی علوم کے حصول پر تو صرف کرنا پر عربی زبان نہ سیکھنا قرآن کی توہین ہے۔

- **تدبر:**

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (۲۹) [ص]

یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں

d) حکم واقامت:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۴۴) [مائدہ]

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ۔ [شرح السنہ، علامہ بغوی]

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔

1. تبلیغ و تبیین:

هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ [ابراھیم، ۵۲]

یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ اُن کو اِس کے ذریعہ سے خبر دار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آجائیں۔

۔۔۔ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ۔۔۔۔ [ابراھیم، ۱۹]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے، سب کو متنبہ کر دوں۔۔۔۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۶۷) [مائدہ]

اے پیغمبرؐ! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہر گز نہ دکھائے گا۔

پھر رسول اکرم ﷺ نے یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی۔

بَلِّغُوا عَنِّی وَلو آیَۃً ۔[بخاری، عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ]

پہنچاؤ میری طرف سے چاہے ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔

خطبہ حجۃ الوداع میں بھی صحابہؓ سے تبلیغ قرآن کی شہادت لینے کے بعد ان کو حکم دیا: **'فَلیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الغائبہ'**

ایمان بالقدر

تصور 1: ایمان بالقدر کی اہمیت اور اس پر عقلی دلائل

قدر پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا نظریاتی لحاظ سے اہم ترین ایمان ایمان باللہ، عملی لحاظ سے ایمان بالآخرت اور دلیل اور برہان کے لحاظ سے ایمان بالقرآن ہے۔ اس تناظر میں ایمان بالقدر کی اہمیت یہ ہے کہ قوموں کا عروج وزوال اس پر منحصر ہے۔ اگر کسی قوم میں اس کا غلط تصور رائج ہو جائے تو زوال پذیر ہونا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ آیئے اب ہم ایمانیات کے اس اہم رکن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1. ایمان بالقدر: عقلی دلائل

انسان کی بے بسی ایمان بالقدر پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ (۸۳) وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ (۸۴) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ (۸۵) فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ (۸۶) تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۸۷) [واقعه]

تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے، اُس وقت تمہاری بہ نسبت ہم اُس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے، اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اِس خیال میں سچے ہو تو اگر سچے ہو تو اسے واپس تو لوٹا کر دکھاؤ۔ اس بے بسی کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ کوئی اور ہستی ہے جو ہمارے اوپر کامل قدرت رکھتی ہے۔

تصور 2: ایمان بالقدر کا ہمہ گیر تصور

2. ایمان بالقدر: ہمہ گیر تصور

تقدیر اللہ کا علمِ قدیم ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ قرآن وسنت کی رو سے ایمان بالقدر کے چار پہلو ہیں اور ہر ایک کو ماننا لازمی ہے:

a) ہر امر اللہ کے علم میں ہے:

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (۵۹) [انعام]

اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے، درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو، زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو، خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

b) ہر امر لکھا ہوا ہے:

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ [حدید]

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔

c) ہر امر اللہ کی چاہت سے ہی سرزد ہوتا ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾ [تکویر]

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔

d) ہر امر اللہ کا تخلیق شدہ ہے:

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ [صافّات]

اور اللہ ہی نے تمہیں تخلیق کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو ان کو بھی۔

تصور 3: ایمان بالقدر کے ضمن میں دو غلط تصورات (قدریہ، جبریہ)

3. ایمان بالقدر کے ضمن میں غلط تصورات

تاریخ انسانی میں جب بھی اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو دو گروہ ضرور وجود میں آئے۔ قدریہ اور جبریہ۔ اور یہی معاملہ امت مسلمہ کا بھی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بھی ہمیں اس مسئلے پر یہ دو گروہ بحث و مباحثہ کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن تقدیر سے متعلق ان دونوں گروہوں کے نظریات غلط ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ان گروہوں سے منسلک حضرات جو دلائل اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا کرتے تھے ان کو ذیل میں مختصراً پیش کیا گیا ہے۔

a) قدریہ:

قدریہ کے نزدیک انسان اپنے معاملات میں کلی اختیار رکھتا ہے اور کسی معاملے میں محض مجبور نہیں ہے۔

قدریہ قرآن سے ان آیات کی بنا پر استدلال کیا کرتے تھے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۔۔۔(۷۹)[بقرۃ]

پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے **جو اپنے ہاتھوں سے شریعت کا حکم لکھتے ہیں**، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ(۵۳)[انفال]

یہ اللہ کی اِس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو **اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی** اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ(۱۷)[مومن]

(کہا جائے گا) **آج ہر شخص کو اُس کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی** آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ ۔۔۔(۲۹)[کہف]

صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، **اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔**

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ ۔۔۔(۱۴۸)[انعام]

یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے کہ "**اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے**" ایسی ہی باتیں بنا بنا کر اِن سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ(۴۱)[روم]

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں **کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے** تاکہ مزا چکھائے اُن کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔۔۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ(۳۰)[شوریٰ]

تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔

b) جبریہ:

جبریہ کے نزدیک انسان اپنے معمالات میں مجبور محض ہے اور کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

جبریہ قرآن سے ان آیات کی بناپر استدلال کیا کرتے تھے:

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (۴) [بنی اسرائیل]

پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اِس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔۔۔

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (۲۲) [حدید]

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔۔۔

۔۔۔۔ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۷۸) [نساء]

اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے کہو، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔۔۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (۳۰) [انسان]

اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ نہ چاہے یقیناً اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔

وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۷) وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (۱۸) [انعام]

اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے بچا سکے، اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے اور دانا اور باخبر ہے۔۔

دونوں نظریات کے حاملین کی طرف سے پیش کردہ دلائل اپنی اپنی جگہ درست معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک طرح کا اختلاف نظر آتا ہے۔ دراصل یہ معاملہ ہی اتنا پیچیدہ ہے کہ اس میں اس امر کا فیصلہ کرنا کہ ہمارے پاس کتنا قدار ہے اور کتنا نہیں ہے اور جو اختیار ہے بھی وہ کس وقت تک اور کتنا دیا جاتا ہے اور کب لے لیا جاتا ہے؟ ان سب باریکیوں کو سمجھنا ہمارے محدود ذہن کی دسترست سے باہر ہے۔ مولانا مودودیؒ اپنی تصنیف 'مسئلہ جبر و قدر' میں اس پیچیدگی کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'مثال کے طور پر میں اس وقت کچھ لکھ رہا ہوں۔ میرے اس فعل کتابت کا تجزیہ کیجئے تو اس میں اسباب کا ایک پورا سلسلہ آپ کو نظر آئے گا۔ مثلاً لکھنے کے لیے میرا اختیار وارادہ میرے اندر جو بے شمار ذہنی اور جسمانی قوتیں موجود ہیں ان سب کا اس وارادہ کے تحت کام کرنا اور خارجی قوتوں کا جو بے حد و حساب ہیں اور جن سے بہت سی قوتیں میرے علم میں بھی نہیں ہیں، میری مساعدت کرنا۔

پھر ان اسباب کی الگ الگ تحلیل کیجئے۔ یہ بے شمار خارجی قوتیں جو اس وقت اس فعل میں میری مساعدت کر رہی ہیں ان میں سے کسی کو بھی نہ میں نے بنایا ہے، نہ فراہم کیا ہے، نہ میں ان پر اتنی قدرت رکھتا ہوں کہ انہیں اپنی مساعدت پر مجبور کر سکوں۔ وہ خدا ہی ہے جس نے ان کو اس طور پر بنایا اور اس طرح فراہم کر دیا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ ساری قوتیں میری مساعدت کرنے لگتی ہیں اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ میری مساعدت نہ کریں تو میں لکھ نہیں سکتا۔

اسی طرح جب میں خود اپنے اوپر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میرا موجود اور زندہ ہونا، میرا احسن تقویم پر ہونا، میرے جسم کے اعضاء کا جو کتابت کے فعل میں حصہ لیتے ہیں صحیح و سلامت ہونا، میرے اندر اُن طبیعی قوتوں کا موجود ہونا جن سے میں اس فعل میں کام لیتا ہوں، اور میرے دماغ میں حافظہ، تفکر علم اور دوسری بہت سی چیزوں کا پایا جانا، ان میں سے کوئی شے بھی نہ میری کاریگری کا نتیجہ ہے، نہ میرے اختیار میں ہے۔ ان سب کو بھی اسی خدا نے اس طور پر بنایا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ سب چیزیں میرا ساتھ دیتی ہیں اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی شے میرا ساتھ نہ دے تو میں کتابت میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

رہا میرا اختیار و ارادہ تو اس کی حقیقت بھی میں نہیں جانتا۔ میں صرا تنا جانتا ہوں کہ پہلے کچھ خارجی اسباب اور کچھ باطنی اسباب سے میرے اندر لکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پھر میں غور کرتا ہوں کہ لکھوں پھر دونوں پہلوؤں کے درمیان موازنہ کرنے کے بعد میں لکھنے کے پہلو کو اختیار کرتا ہوں اور جب میرا میلان فعل کی جانب قوی ہوتا ہے تو میں فعل کا ارادہ کر کے اپنے اعضاء لپ اس کے لیے حرکت دیتا ہوں۔ اس خواہش سے لے کر اقدام فعل تک جتنی چیزیں ہیں ان میں سے کسی چیز کا بھی میں خالق نہیں ہو، بلکہ مجھے اب تک یہ بھی پوری طرح معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ خواہش اور اقدام فعل کے درمیان کتنی باطنی قوتیں کام کرتی ہیں اور اس کام میں ان کا کتنا حصہ ہے۔'

c) قدریہ اور جبریہ کے فوائد و نقصانات

اس سے پہلے کہ ہم اس پیچیدہ مسئلے کے حل کی طرف جائیں یہ ضروری ہے کہ مسئلہ جبر و قدر سے متعلق دونوں تصورات کے فوائد و نقصانات کو دیکھ لیا جائے۔

جبریہ	قدریہ
فوائد	**فوائد**
عمل پر آمادگی	عاجزی اور انکساری
نقصانات:	دہریت سے حفاظت اور خدا پر ایمان کا بچاؤ
تکبر	نقصان کی صورت میں بھی اطمنان
دہریت کی طرف میلان اور حتمی نتیجہ خدا پر ایمان کا انکار	**نقصانات:**
نقصان کی صورت میں پریشانی	عمل سے دوری

d) سائنس کی روشنی میں مسئلہ جبر و قدر

سائنس کی روشنی میں تو ہمیشہ قدریہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ کیونکہ سائنس نام ہی کوشش کر کے حقیقت کو پہچاننے کی سعی کرنا ہے۔

آج جب سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے تو یہ تصور سائنسدانوں کے ہاں اور بھی تقویت پکڑ گیا ہے کہ ہم ہر حال میں مکمل اختیار رکھتے ہیں۔ چنانچہ مغربی تہذیب جو سائنٹزم پر یقین رکھتی ہے بحیثیت مجموعی قدریہ ہے۔

تصور4: تقدیر کو سمجھنے کے ضمن میں مشکلات

4. مسئلے کی سنگینی اور اس کا حل

چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ ثابت کرنا کہ جبریہ کا استدلال صحیح تر ہے یا قدریہ کا شاید ممکن نہیں، کیونکہ دونوں گروہ ایک ایسے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کی استطاعت ان میں نہیں ہے۔ تقدیر دراصل اللہ کو وہ کامل اور اکمل منصوبہ (Compete Plan) ہے جو اس نے کائنات اور اسکی مخلوقات کے معملات سرانجام دینے کے لیے بنایا ہے۔ اب ظاہر ہے کامل علم سے ترتیب دیے گئے منصوبے کو ناقص اور محدود علم والا کیسے پہچان سکتا ہے؟

اور اس بحث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ انسان اپنی عقل سے جب بھی سوچنے کی کوشش کرے گا تو انہیں دو غلط نظریات میں سے کسی ایک کو اپنانے پر مجبور ہو جائے گا۔ جو قومیں مذہب سے دور ہوں گی جیسا کہ اہل مغرب کا معاملہ ہے تو وہ لامحالہ قدریہ کے موقف کو اپنالیں گی اور جو مذہب سے قریب ہوں گی انہیں لامحالہ جبریہ کے موقف کو ماننا پڑے گا۔ لیکن یہ دونوں تصورات غلط ہیں۔ اس لیے اس مسئلے کا ایک حل تو یہ ہے کہ اس پر سوچنا بند کر دیا جائے۔ جو بتایا جا رہا ہے اس کو من و عن بغیر کسی سوچ بچار کے قبول کر لیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک دفع صحابہؓ آپس میں اس مسئلہ میں بحث کر رہے تھے، اتنے میں حضور اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور یہ باتیں سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا 'کیا انہیں چیزوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں اسی لیے تم میں بھیجا گیا ہوں؟ ایسی ہی باتوں سے پچھلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ میرا فیصلہ یہ ہے کی تم اس مسئلے میں جھگڑا نہ کرو۔ [یہ حدیث مختلف طریقوں سے عائشہ، انس، ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنھم) سے مروی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)]

آپ نے فرمایا 'جو شخص تقدیر کے بارے میں گفتگو کرے گا۔ اس سے تو قیامت کے دن سوال ہو گا، مگر جو خاموش رہے گا اس سے کوئی سوال نہیں ہو گا۔ [اس حدیث کو امام زہری نے امام زین العابدین اور انہوں نے حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے (بخاری اور نسائی)]

لیکن عقل کیونکہ اس مسئلے پر سوچنے پر مجبور ہے اس لیے وہ سوچتی رہے گی اور سوال اٹھاتی رہے گی اور نتیجتاً باطل موقف اپنائے جاتے رہیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جائے۔

تصور5: علامہ اقبال کے حوالے سے تقدیر کا صحیح تصور اور قرآن سے اس کی تائید

اس ضمن میں علامہ اقبالؒ نے جو حل تجویز کیا ہے وہ سادہ بھی ہے اور قدرے محفوظ بھی یعنی اس میں گمراہی کے خدشات نہیں ہیں۔ علامہ اقبالؒ تقدیر کے غلط تصورات کو امت مسلمہ کے زوال کے بڑے اسباب میں شمار کرتے تھے اس لیے انہوں نے اپنی شاعری اور نثر کا ایک بڑا حصہ اس مسئلے کے حل میں صرف کیا اور مختلف علمی سطحوں پر اس کا حل پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہاں ہم ایک عام علمی سطح پر جو انہوں نے حل پیش کیا اس کی وضاحت کریں گے۔ اس کا جو حل انہوں نے فلسفیانہ سطح پر پیش کیا اس کو میرے ایک مضمون 'علامہ اقبال کا تصور تقدیر' میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ عام فہم انداز میں انہوں نے اس مسئلے کا حل ضرب کلیم کی معرکۃ الآراء نظم 'احکام الٰہی' میں پیش کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام!
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش، ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

مختصر تشریح: ہمیں تقدیر کی پابندی کرنی چاہیئے یا احکام الٰہی کی، یہ مسئلہ ایک سمجھدار آدمی کے لیے اتنا مشکل نہیں ہے۔ تقدیر کا تو کوئی اعتبار نہیں وہ اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے۔ اس لیے جو اس کی تقلید کرنا شروع کر دے گا تو کبھی ناخوش ہو گا اور کبھی خوش و خرم یعنی مستقل مزاجی اس میں نہ رہے گی۔ تقدیر کی پابندی کرنا تو پودوں اور جانوروں کا کام ہے جبکہ مرد مومن تو بس احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے تقدیر کی پابندی اس پر لازم نہیں۔

اس نظم کی بناء پر شاید کوئی اقبال کو 'قدریہ' فرقے سے سمجھ لے۔ لیکن اقبال قدریہ کی طرح یہ نظریہ نہیں رکھتے تھے کہ تقدیر ہمیں پابند کر ہی نہیں سکتی، بلکہ ان کا اس ضمن میں نظریہ یہ تھا کہ ہم تقدیر کے پابند نہیں بلکہ اللہ کے احکام کے پابند ہیں۔ ہاں تقدیر نے بہر حال ہمیں پابند کر کے رہنا ہے۔

اس کے برعکس تقدیر کی پابندی کرنا جانوروں اور پودوں کا کام ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ پر انسانوں کا معاملہ یہ نہیں ان کو تو اختیار دیا گیا ہے کہ 'اما شاکراً و اما کفورا'، چنانچہ تقدیر کا فیصلہ ہو یا اللہ کی نازل کردہ شریعت کا فیصلہ، ہیں دونوں اللہ ہی کے فیصلے پر ہم مکلفِ شریعت الٰہی ہیں مکلفِ تقدیر الٰہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں احکامات تقدیر کا علم ہی نہیں دیا گیا۔ ہاں کبھی کبھی ہمیں ان تکوینی امور کا کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے پر اس کا حتمی علم ہماری دسترست میں نہیں ہے۔ چنانچہ ہم تقدیر کے فیصلے کو اسی وقت تسلیم کریں گے جب یہ شریعت کے حکم کے موافق ہو گا، ورنہ اللہ کے حکم شریعت کی تعمیل میں حکم قدر کے خلاف لڑنے میں ہی ہماری اخروی نجات ہے۔ علامہ اقبال اپنی مشہور نظم پیر و مرید میں اپنے پیر مولانا رومی سے جب جہاد کے بارے میں سوال پوچھتے ہیں تو ان کا جواب اس مسئلے کی وضاحت میں اس طرح آتا ہے:

ہے نگہ تری میرے دل کی کشاد
کھول مجھ پہ نکتہ حکم جہاد
نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
بر زجاج دوست سنگ دوست زن

(نقش حق (الٰہی) کو امر حق (الٰہی) سے توڑ دو، جیسے دوست کے آئینے کو دوست کے پتھر سے توڑ دو)

مطلب یہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں اللہ کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اب اگر اللہ ہی یہ حکم دے کہ ان سے ٹکرا جاؤ تو ٹکرا جاؤ کیا مسئلہ ہے؟۔ یہ ایسی ہی مثال ہے کہ کسی کا دوست اس کے ہاتھ میں پتھر دے کر کہے کہ اس کے شیشے کو اس سے توڑ دو تو اسے توڑنے میں کیا مسئلہ ہے؟ اس لیے تقدیر کے معاملات اللہ ہی نے طے کیے ہیں، اگر وہ شریعت میں اس کے خلاف لڑنے کا حکم دیتا ہے تو تقدیر سے بھی لڑنا عین اس کی مشیعت کے عین مطابق ہے اس کے خلاف نہیں۔

5. علامہ اقبالؒ کا تجویز کردہ حل قرآن کے دو مقامات کی روشنی میں

علامہ اقبالؒ نے مسئلہ تقدیر کے ضمن میں جو حل تجویز کیا اس کی تائید قرآن کے مندرجہ ذیل مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک مقام سورۃ الکہف میں موجود قصہ موسیٰؑ اور خضرؑ ہے۔ جب ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو قرآن اس طرح ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو پیش کرتا ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (٦٥) قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (٦٦) قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (٦٧) وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا (٦٨) قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا (٦٩) قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (٧٠) فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا (٧١) قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (٧٢) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا (٧٣) فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا (٧٤) قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (٧٥) قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا (٧٦) [کهف]

اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا "کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اُس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟"۔ اس نے جواب دیا "آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو آخر آپ اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں"۔ موسیٰؑ نے کہا "انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا"۔ اس نے کہا "اچھا، اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک کہ میں خود اس کا آپ سے ذکر نہ کروں"۔ اب وہ دونوں روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے تو اس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا موسیٰؑ نے کہا "آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی"۔ اس نے کہا "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟"۔ موسیٰؑ نے کہا "بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے میرے معاملے میں آپ ذرا سختی سے کام نہ لیں"۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ان کو ایک لڑکا ملا اور اس شخص نے اسے قتل کر دیا موسیٰؑ نے کہا "آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اُس نے کسی کا خون نہ کیا تھا؟ یہ کام تو آپ نے بہت ہی برا کیا"۔ اُس نے کہا "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟"۔ موسیٰؑ نے کہا "اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں لیجیے، یقیناً اب تو میری طرف سے آپ حد عذر تک پہنچ چکے ہیں۔

ان آیات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو قسم کے احکامات اس کائنات پر رائج ہیں۔ ایک احکامات قضاوقدر اور دوسرے احکامات شریعت اور دونوں کی بجاآوری کے لیے مختلف مخلوقات کو ذمہ داری دی گئی ہے۔ احکامات قضاوقدر کے نفاذ کی ذمہ داری فرشتوں اور ان جیسی دیگر مخلوقات کی ہے جبکہ احکامات شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری انسانوں کی ہے۔ یہ گویا کہ دو علیحدہ علیحدہ دنیائیں ہیں جن کے مابین ایک حجاب ہے۔ لیکن اس قصے میں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حجاب کو ہٹایا ہے خضرؑ احکامات قضاوقدر کے نفاذ پر مامور ہیں جن کا سامنا موسیٰؑ سے ہے جو انسانوں کے نمائندے اور رسولؑ ہونے کی حیثیت سے بلاشبہ احکامات الٰہی کے نفاذ پر مامور ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ دونوں اپنی ذمہ داری مخالفت کے باوجود مسلسل ادا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔ اور اسی میں ہمارے لیے بھی سبق ہے۔ ہمیں بھی موسیٰؑ کے نقشِ قدم پر چلنا ہے کہ چاہے بڑے سے بڑا ولی بھی ہمارے سامنے نہ آجائے اگر وہ احکامات شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کو ٹوکنا اور روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔

اس ضمن میں دوسرا اہم مقام سورۃ یوسف میں آتا ہے جب یعقوبؑ اپنی بیٹوں کو عزیز مصر (یوسفؑ) کے پاس غلہ لینے کے لیے بھیجتے وقت احتیاطی تدبیر کرنے کی تلقین کرتے ہیں حالانکہ ان کو پہلے سے لکھی ہوئی تقدیر کا علم ہوتا ہے کہ انہیں مشکل پڑ کر رہے گی۔

وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (٦٧) وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (٦٨) [یوسف]

اور پھر کہا کہ میرے فرزندو دیکھو سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا کہ میں خدا کی طرف سے آنے والی بلاؤں میں تمہارے کام نہیں آسکتا حکم صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی پر میرا اعتماد ہے اور اسی پر سارے توکل کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور جب وہ لوگ اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے والد نے کہا تھا اگرچہ وہ خدائی بلا کو ٹال نہیں سکتے تھے لیکن یہ ایک خواہش تھی جو یعقوب کے دل میں پیدا ہوئی جسے انہوں نے پورا کر لیا اور وہ ہمارے دیئے ہوئے علم کی بنا پر صاحب علم بھی تھے اگرچہ اکثر لوگ اس حقیقت سے بھی ناواقف ہیں۔

اس قصے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ویسے تو ہمیں تکوینی معاملات کا بتایا ہی نہیں گیا لیکن اگر بالفرض اللہ ان معاملات کے بارے میں ہمیں علم عطا کر دے جیسا کہ یعقوبؑ کو اللہ نے عطا کیا تھا تب بھی ہمیں اللہ کی شریعت کی ہی پابندی کرنی ہے۔

تصور6: خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

6. تقدیر تبدیل ہو سکتی ہے اور مرد مومن کا ارادہ تقدیر بن سکتا ہے

اس ضمن میں ایک اور اشکال ایسا ہے کہ است اگر رفع کر دیا جائے تو اعلامہ اقبالؒ کا اس ضمن میں ایک اور غیر معمولی تصور بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ تقدیر جب ایک دفعہ لکھی جا چکتی ہے تو پھر تبدیل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالی سورۃ رعد میں فرماتے ہیں:

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (الرعد ۔ 39)

اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔

جی اللہ تعالی نے ہی لوح محفوظ لکھی ہے اور وہ اس کو تبدیل کرنے کی کامل قدرت رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد مومن کے پاس دعا کا ہتھیار موجود ہے وہ جب چاہے اللہ سے دعا کر کے تقدیر اپنے موافق لکھوا سکتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کا ارشاد نکل ہوا ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ۔ [مسند احمد: 282/5، 277، 280 وجامع الترمذی، حدیث: 2139 وسنن ابن ماجہ حدیث: 90]

"بندہ گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے تقدیر کو صرف دعا ہی بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی اضافہ کر سکتی ہے۔"

دوسرے لفظوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی مرد مومن اپنے کردار کو بلند کرلے تو اللہ تعالی اس کو یہ شرف بخشتے ہیں کہ اس کے ارادے ہی لوح محفوظ میں تقدیر کے طور پر لکھ دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ علامہؒ ان مشہور اشعار میں بیان فرماتے ہیں:

کی محمد سے وفا تو نے ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ایمان بالرسالت

تصور 1: ایمان بالرسالت کی اہمیت اور اس پر عقلی دلائل

ایمان بالقد کے بعد اب ہم ایمان کے ایک بنیادی رکن ایمان بالرسالت کو سمجھیں گے۔ دیگر انبیاء والرسل علیہم السلام اور نبی آخر الزماں پر بطور آخری نبی اور رسول ﷺ کے ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ اگر یہ نظروں سے اوجھل ہو جائے تو دین کی صحیح تعبیر سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا اسوہ ہی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ [بقرۃ،۲۸۵]

رسول ﷺ اُس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اِس رسول کے ماننے والے ہیں، انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور **اس کے رسولوں کو مانتے** ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ: "ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔

1. ایمان بالرسالت کے عقلی دلائل:

رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں تو ان کا صادق اور امین کردار خود ایک مبرہن دلیل تھا لیکن ان کے وصال کے بعد ان کا کردار اس طرح سے اب دلیل نہیں رہا جس طرح ان کی زندگی میں تھا۔ اس لحاظ سے صحیح احادیث میں آپ ﷺ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلو محفوظ ہیں جن کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے پر ان کی کتاب اور ان کا معجزہ یعنی قرآن آج بھی موجود ہے جو ان کی رسالت کی حقانیت پر اتمام حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ یسین میں فرماتے ہیں:

يس (۱) وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ (۲) إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (۳) عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۴) [یٰسین]

یٰسٓ ۔ قرآن حکمت والے کی قسم ہے ۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ (اور) سیدھے راستے پر ۔

تصور2: رسول ﷺ کا مقام بطور ایک انسان اور ایک رسولؑ کے

2. ایمان بالرسالت کا ہمہ گیر تصور

رسول اکرم ﷺ کی اصل حقیقت یا بالفاظ دیگر ان کے اصل مقام و مرتبے کا اا یک لحاظ سے جاننا تو ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔ وہ ہے آپ ﷺ کی حیثیت بطور ایک اللہ کے رسول کے۔ کیونکہ ایک رسولؑ کے لیے تو ممکن ہے کہ کسی دوسرے رسولؑ کے مقام و مرتبے کو پہچان سکے مگر ایک غیر رسول کا تو یہ مقام نہیں ہے کہ وہ اس کا ادراک کر سکے۔ اس لحاظ سے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے جو شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تصور3: حقیقت انسان

رہی بات آپ ﷺ کے مقام و مرتبے کی بطور ایک انسان کے تو اس لحاظ سے آپ ﷺ کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کی جا سکتی ہے گو کہ حق تو پھر بھی ادا کرنا ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کے اصل مقام اور مرتبے کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے۔ انسان کے بارے میں دو نظریات مشہور رہے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی اصل روحانی ہے جب کہ دوسرا یہ کہ انسان کی اصل مادّی ہے۔ حقیقتاً یہ دونوں نظریات مکمل نہیں ہیں۔ انسان کی حقیقت ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں

وجودِ حضرت انساں نہ روح ہے نہ بدن

تصور4: انسان کی عظمت کو ماپنے کے معیارات

انسان کی حقیقت کو جاننے کے بعد کہ وہ مادّی اور روحانی وجودوں کا مجموعہ ہے، اگلا مرحلہ اس کی عظمت کا معیار طے کرنے کا ہے۔ اس ضمن میں اگر مادّی اور دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو عظمت کے معیارات ذہانت، شہرت، مال و دولت اور طاقت ہو سکتے ہیں۔ ان میں بھی طاقت کو سب سے بلند معیار سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ دیگر مقامات کو پانے کے بعد انسان طاقت کے حصول کا متلاشی رہتا ہے لیکن جب طاقت مل جاتی ہے تو انسان اسی کو وسعت دینے کی کوشش کرتا ہے۔۔

اس کے برعکس اگر روحانی لحاظ سے دیکھا جائے تو عظمت کا معیار دنیا سے بے نیازی یا بالفاظ دیگر فقر قرار پائے گا۔ اس لیے جو بھی اس دنیا اور اس کی آسائیشوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اسے روحانی لحاظ سے عظیم انسان تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان دراصل مادّی اور روحانی وجودوں کا مجموعہ ہے تو اس کی عظمت کا معیار بھی ایسا ہونا چاہیئے جس میں یہ

دونوں پہلو جمع ہوں۔ یعنی طاقت بھی ہو پر اس کے ساتھ دل لگاؤ نہ ہو۔ اس طاقت کو وہ شخص اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے نہ استعمال کر رہا ہو بلکہ اس کو اپنی ذات سے بلند ہو کر اللہ کے دین کے نفاذ میں صرف کرے۔

علامہ اقبالؒ کا تو یہ موقف تھا کہ جس شخص کے پاس طاقت نہیں ہے تو اس کا فقر کا دعویٰ درست ہی نہیں ہے۔ اصل فقر ہے ہی یہ کہ تمام اختیارات ہوں، طاقت ہو پر اس کے باوجود انسان اس سے بے نیاز رہے۔ علامہ اقبالؒ حقیقی فقر کے بارے میں بال جبریل میں فرماتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری

اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری

ایک فقر وہ ہے جو شکاری کو خود ہی شکاری کو شکار بننا سکھاتا ہے، اور ایک فقر وہ ہے جس سے دنیا میں حکومت کرنے کے راز کھلتے ہیں۔

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری

اک فقر سے مٹی میں خاصیت اِکسیری

ایک فقر وہ ہے جو قوموں کو مسکینی اور دلگیری سکھاتا ہے، اور ایک فقر وہ ہے جس سے مٹی میں بھی اکسیر (جس کے بارے میں مشہور رہا ہے کہ وہ دھاتوں کو سونے میں تبدیل کر سکتا ہے) کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری

میراث مسلمانی سرمایہ شبیریؓ

ایک فقر ہے شبیری یعنی حسینؓ کا طرز عمل، اس فقر میں میروں اور شہنشاہوں کی خاصیت ہے، ایک مسلمان کے لیے سب سے عظیم میراث یہی سرمایہ شبیریؓ ہے۔

اصل فقر حسینؓ کا فقر تھا ان کے پاس مرتبہ و مقام تھا، شہرت تھی، دنیا کی ہر نعمت تھی۔ لیکن اس کے باوجود طاقت کے حصول کے لیے نکلے اپنی ذات کے لیے نہیں بلک اللہ کے دین کے لیے اور اس راہ میں سب کچھ قربان کر دیا۔

تصور 5: فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں

3. عظمت مصطفیٰ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں

عربی کی ایک مشہور کہاوت ہے 'الفَضلُ مَا شَهِدَت بِهِ الاَعدٰی (فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں)'۔ چنانچہ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ جب کسی غیر مسلم نے بھی عظمت کو ماپنے کا معیار درست کیا تو اسے لامحالہ رسول اکرم ﷺ ہی روز روشن کی طرح عظمت کے بلند ترین مقام پر فائز نظر آئے۔

Michael Hart (1932-alive) is an Astrophysicist and a famous Author. He writes in his famous book "The Hundered":

My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the secular and religious level. ...It is probable that the relative influence of Muhammad on Islam has been larger than the combined influence of Jesus Christ and St. Paul on Christianity. ...It is this unparalleled combination of secular and religious influence which I feel entitles Muhammad to be considered the most influential single figure in human history. (The 100, A Ranking of the Most Influential Persons In History,' New York, 1978).

Thomas Carlyle (1795 – 1881) was a Scottish philosopher, satirical writer, essayist, historian and teacher during the Victorian era. He says in 'Heroes, Hero Worship, and the Heroic in History,' Lecture 2, Friday, 8th May 1840.

"These Arabs, the man Mahomet, and that one century, - is it not as if a spark had fallen, one spark, on a world of what proves explosive powder, blazes heaven-high from Delhi to Granada! I said, the Great man was always as lightning out of Heaven; the rest of men waited for him like fuel, and then they too would flame..."

Lamartine (1790-1869), was a famous French writer, poet and a politician quotes in his famous work Historie de la Turquie:

"If greatness of purpose, smallness of means and outstanding results are the three reasons to judge a man's genius, who could dare to compare any man from the modern history with Muhammad."

H. G. Wells (1866-1946), was an English author, historian, teacher, and journalist. He writes in his book "The short history of the world":

"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before also, and we find a lot of them in Jesus of Nazareth, but it must be admitted that it was Muhammad who for the first time in history established a society based on these principles."

George Bernard Shaw (1856-950) was an Irish playwright and a co-founder of the London School of Economics , winner of noble prize in literature. He writes in his book "'The Genuine Islam":

"I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of its wonderful vitality. It is the only religion which appears to me to possess that assimilating capacity to the changing phase of existence which can make itself appeal to every age. I have studied him - the wonderful man and in my opinion far from being an anti-Christ, he must be called the Saviour of Humanity".

"I believe that if today an autocrat of Mohammed's caliber assumes world leadership, he could solve all problems of humanity splendidly. The world will become an abode of peace and happiness. I predict that tomorrow's Europe will embrace Islam." ('The Genuine Islam,' Vol. 1, No. 8, 1936).

Edward Gibbon, was an English historian, writer, and member of parliament. He says in his famous book "The Decline and Fall of Roma Empire":

"The good sense of Muhammad despised the pomp of royalty. The Apostle of God submitted to the menial offices of the family; he kindled the fire; swept the floor; milked the ewes; and mended with his own hands his shoes and garments. Disdaining the penance and merit of a hermit, he observed without effort of vanity the abstemious diet of an Arab." (The Decline and Fall of the Roman Empire 1823).

Sir William Muir (1819-1905) was a Scottish Orientalist and colonial administrator. He is writes in his book "Life of Mohammed".

"Mohammed brought an end to idol worship. He preached monotheism and infinite Mercy of God, human brotherhood, care of orphan, emancipation of slaves, forbidding of wine - No religion achieved as much success as Islam did." (Life of Mohammed).

M. Gandhi (1869-1948) the famous Indian Leader, said following about Muhammad ﷺ:

I wanted to know the best of the life of one who holds today an undisputed sway over the hearts of millions of mankind.... I became more than ever convinced that it was not the sword that won a place for Islam in those days in the scheme of life. It was the rigid simplicity, the utter self-effacement of the Prophet the scrupulous regard for pledges, his intense devotion to his friends and followers, his intrepidity, his fearlessness, his absolute trust in God and in his own mission. These and not the sword carried everything before them and surmounted every obstacle. When I closed the second volume (of the Prophet's biography), I was sorry there was not more for me to read of that great life. (Young India,'1924).

Reverend Bosworth Smith, the author of famous book "Muhammad and Muhammadanism" says:

"Head of the State as well as the Church, he was Caesar and Pope in one; but he was Pope without the Pope's pretensions, and Caesar without the legions of Caesar, without a standing army, without a bodyguard, without a police force, without

a fixed revenue. If ever a man ruled by a right divine, it was Muhammad, for he had all the powers without their supports. He cared not for the dressings of power. The simplicity of his private life was in keeping with his public life."

"In Mohammadanism everything is different here. Instead of the shadowy and the mysterious, we have history....We know of the external history of Muhammad....while for his internal history after his mission had been proclaimed, we have a book absolutely unique in its origin, in its preservation....on the Substantial authority of which no one has ever been able to cast a serious doubt. " (Muhammad and Muhammadanism,' London, 1874)

Charles Stuart Mills (20 May 1806 – 8 May 1873) was a British philosopher, political economist and civil servant. He says in his book "History of Mohammadanism":

"Deeply read in the volume of nature, though extremely ignorant of letters, his mind could expand into controversy with the wisest of his enemies or contract itself to the apprehension of meanest of his disciples. His simple eloquence was rendered impressive by a manner of mixed dignity and elegance, by the expression of a countenance where the awfulness of his majesty was so well tempered by an amiable sweetness, that it exerted emotions of veneration and love. He was gifted with that authoritative air or genius which alike influences the learned and commands the illiterate." (History of Mohammadanism)

W. Montgomery Watt (1909–2006) was a Scottish historian, an Emeritus Professor in Arabic and Islamic Studies at the University of Edinburgh. He says in his famous book "Muhammad at Mecca":

"His readiness to undergo persecution for his beliefs, the high moral character of the men who believed in him and looked up to him as a leader, and the greatness of his ultimate achievement – all argue his fundamental integrity. To suppose Muhammad an impostor raises more problems that it solves. Moreover, none of the great figures of history is so poorly appreciated in the West as Muhammad.... Thus, not merely must we credit Muhammad with essential honesty and integrity of purpose, if we are to understand him at all; if we are to correct the errors we have inherited from the past, we must not forget the conclusive proof is a much stricter requirement than a show of plausibility, and in a matter such as this only to be attained with difficulty." (Muhammad at Mecca,' Oxford, 1953).

مندرجہ بالا اقوال میں مائکل ہارٹ اور ریورینڈ بازورتھ سمتھ کے اقوال خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ ان میں دونوں کے اقوال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ انسانیت کی حقیقت سمجھ گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے انسان کو بدن اور روح کے مجموعے کے طور پر سمجھ لیا تو رسول اکرم ﷺ ہی انہیں بلند ترین مقام پر فائز نظر آئے۔

تصور6: ایمان بالرسالت کے تقاضے

4. ایمان بالرسالت کے تقاضے

رسول اکرم ﷺ کے بطور انسان اصل مقام اور مرتبے کا کچھ ادراک کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ہم ایک اور نہایت اہم موضوع سے متعلق اپنے خیالات درست کر لیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لانے کے تقاضے کیا کیا ہیں؟ یہ تو آج ہر مسلمان دعوی کرتے نظر آتا ہے کہ وہ رسول ﷺ سے دلی محبت رکھتا ہے لیکن جس سے محبت کی جاتی ہے تو پھر اس سے تعلق کے تقاضوں کو بھی پورا کرنا لازمی ہوتا ہے ورنہ اس دعوے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں تو سورۃ اعراف کی آیت 157 کا یہ حصہ نہایت جامعیت کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کے تقاضوں کو واضح کر دیتا ہے۔

۔۔۔۔فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ(157) [اعراف]

۔۔۔لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

a) ایمان:

اس آیت کی رو سے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ ان پر بطور اللہ کے رسول اور مندرجہ ذیل آیت کی رو سے آخری رسولؐ کی حیثیت سے ایمان لایا جائے۔

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا(40) [الاحزاب]

(لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

b) عزت:

پھر ایمان لانے کے بعد اس ایمان کا سب سے پہلا تقاضہ رسول اکرم ﷺ کی عزت و تعظیم ہے۔ امت مسلمہ کو تو باقاعدہ یہ عزت اور تعظیم سکھائی گئی ہے۔ سورۃ حجرت کی آیت نمبر ۲ اس ضمن میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ(2) [حجرات]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

جب رسول اکرم ﷺ موجود تھے تو اس وقت ان کی عزت اور تعظیم کا یہ تقاضہ تھا کہ ان کی آواز سے کسی کی آواز بلند نہیں ہونی چاہیئے۔ اب جبکہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو ان کے اقوال اور فرمودات کی پھر وہی حیثیت ہے کہ جب کسی معاملے میں ان کا فیصلہ سامنے آجائے تو فوراً اسے قبول کرنا لازمی ہے۔ اس ضمن میں سورۃ نساء کی آیات 64 تا 65 نہایت اہم ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (64) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (65) [نساء]

اور ہم نے کبھی کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے حکم سے اس کی تابعداری کی جائے اور جب انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کی معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً یہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے۔ سو تیرے رب کی قسم ہے یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس اور ان کے اقوال دونوں کی عزت اور تعظیم امت مسلمہ پر لازم ہے۔

- **محبت (عزت ہی کے تحت محبت بھی آتی ہے):**

رسول اللہ ﷺ کی عزت اور تعظیم میں ضمناً ان سے محبت بھی آجاتی ہے جو کہ سب سے بڑھ کر ہونی چاہیئے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (31) [ال عمران]

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

نیز صحیح بخاری میں ہے کہ:

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ح وحَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔

c) نصرت:

آج رسول اکرم ﷺ پر ایمان بھی ہے اور ان کی عزت اور تعظیم بھی ہے اور ان سے محبت کے دعوے بھی ہیں پر ان کی نصرت والا پہلو بالکل ہی نظروں سے اوجھل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کی کس کام میں مدد کی جائے وہ تو آج دنیا میں موجود ہی نہیں ہیں؟

کسی کی مدد کے لیے یہ تو پتہ ہونا لازمی ہے کے اسے کس کام میں مدد چاہیئے؟ قرآن کی رو سے یہ وہ کام تھا جو ان کی زندگی کا مقصد تھا اور جو تا حال مکمل نہیں ہو سکا۔ جس ذمہ داری کو دینے سے پہلے یہ وحی کی گئی تھی کہ:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (5) [مزمل]

ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

اور پھر یہ بھاری ذمہ داری انہیں اگلی ہی وحی میں یوں عطا ہوئی:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) [مدثر]

اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبر دار کرو۔ اور اپنے رب کو بڑا کرو۔

اور پھر اس مقصد کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ کریں کہ اس کو بالکل واضح الفاظ میں تین مرتبہ قرآن میں دہرایا گیا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (28) [الفتح]

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اُس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اور اِس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (9) [صف]

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (33) [توبه]

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور یہی وہ مقصد ہے جو تمام سابقہ رسل علیہم السلام کو دیا گیا اور ان کے امتیوں سے بھی یہی تقاضہ کیا گیا کہ وہ ان کی نصرت کریں:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (25) [حدید]

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اُس کو دیکھے بغیر اس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

یہاں 'لِیَعلَمَ' کا مطلب مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ ظاہر ہو جائے۔ یعنی اللہ کو تو معلوم ہے ہی پر دنیا بھی دیکھ لے کہ کون اللہ کے رسولوں علیہم السلام کی غیب میں ہوتے ہوئے مدد کرتا ہے۔ اب جس سے محبت کی جائے اس کی مدد کے لیے تو جان بھی دے دینی چاہیے۔ یہ کیسی محبت ہے کہ جس ہستی سے محبت کے اظہار میں زمین آسمان کے قلابے تو ملائے جاتے ہیں پر کوئی ذرہ برابر بھی اسکی مدد کرنے کو تیار نہیں۔ بلکہ یہ تو وہ تقاضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بھی براہ راست اہل ایمان کے سامنے رکھا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ۖ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ (14) [صف]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰ ابن مریمؑ نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا: "کون ہے اللہ کی طرف (بلانے) میں میرا مددگار؟" اور حواریوں نے جواب دیا تھا: "ہم ہیں اللہ کے مددگار" اُس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔

d) اتباع نور

اس ضمن میں چوتھا تقاضہ اتباع نور کا تقاضہ ہے۔ اس سے مراد ویسے تو قرآن کی اتباع ہے لیکن اس میں اتباع رسول ﷺ بھی شامل ہے کہ ان کی زندگی قرآن کا عملی نمونہ ہے

۔

اتباع سنت رسول ﷺ

اس ضمن میں غزوہ احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کی تھی۔

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (21) [احزاب]

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ موجود ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں اتباع رسول ﷺ کو اللہ کی محبت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (٣١) [آل عمران]

اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ، "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اتباع قرآن:

اتباع قرآن کے ضمن میں مندرجہ ذیل آیت نہایت اہم ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول ﷺ روز محشر اپنی قوم کے خلاف یہ مقدمہ پیش کریں گے کہ انہوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (30) [فرقان]

اور رسول ﷺ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! بیشک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

اسی طرح رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسی قرآن کے ذریعے قوموں کو عروج عطا کرتا ہے اور اس کو چھوڑنے کی وجہ سے انہیں زوال پذیر کرتا ہے۔

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ۔ [مسلم، ابن ماجه]

بیشک اللہ اس یقر آن کے ذریعے سے قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور بعض کو اس کے زرہے سے پست کرتا ہے۔[سنن الدارمی، فضائل قرآن]

تصور7: آئیڈیئل کی توحید

5. آئیڈیئل(Ideal)کی توحید

انسان کی زندگی آئیڈیئلز(نظریات ہوں یا شخصیات) کے اردگرد گھومتی ہے۔یہ آئیڈیئلز گھٹیا سے گھٹیا بھی ہوسکتے ہیں اور عظیم سے عظیم تر بھی۔اگر کسی کا آئیڈیئل گھٹیا ہے تو وہ لازماً گھٹیا شخصیت کا حامل ہوگا اور اگر یہ عظیم ہے تو شخصیت میں اعلیٰ اقدار پروان چڑھیں گی۔

پر یہاں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص صحیح معنوں میں آئیڈیئل نہیں کہلایا جاسکتا کیوں کے عظیم سے عظیم تر شخص میں بھی نقائص ہوتے ہیں۔اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ انسان جس شخصیت کو بھی آئیڈیئل بناتا ہے تو اس میں اس شخصیت کے نقائص آکر رہتے ہیں۔

چنانچہ ایمان بالرسالت کا یہ تقاضہ بھی ہے کہ صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کو آئیڈیئل بنایا جائے اور باقی تمام شخصیات کو محمد ﷺ کی شخصیت کے آئینے میں پرکھا جائے۔ چنانچہ چاہے شیخ عبد القادر جیلانی، بایزید بسطامی اور جنید بغدادی جیسے بزرگان دین ہوں یا چاہے ائمہ اربع جیسے علماء وفقہاء ان کو آئیڈیئل نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ ان کی شخصیات میں بھی نقائص ہوسکتے ہیں۔یہ بات یاد رہے کہ جس کسی کو آئیڈیئل بنایا جاتا ہے اس کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا، اس پر تنقید برداشت نہیں کی جاسکتی۔اس لیے بڑا سوچ سمجھ کے ہی آئیڈیئل کو چننا چاہیئے۔

رہی بات ان کی جو اس آئیڈیئل کے نقش قدم پر چلے یعنی صحابہؓ ان کی زندگی بھی ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتی ہے۔لیکن بہتر یہی ہے کہ آئیڈیئل صرف رسول اکرم ﷺ کو ہی بنایا جائے جو معصوم عن الخطا تھے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی یٰس وہی طٰہٰ

ایمان بالملائکہ

تصور 1: ایمان بالملائکہ پر عقلی دلائل

اب ہم ایمان کے چھٹے رکن ایمان بالملائکہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1. ایمان بالملائکہ پر عقلی دلائل

دیگر ایمانیات کی طرح ایمان بالملائکہ پر بھی سب سے مبرہن دلیل قرآن کی شہادت ہے۔ اور ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآن کی شہادت کیونکر سچی ہے؟ کیونکہ یہ ایک معجزہ ہے اور جس کی حقانیت کی دلیل خود اللہ چیلنج کے طور پر پیش کرتا ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ۔ اور چونکہ یہ چیلنج آج تک پورا نہیں کیا جا سکا اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے، تو ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن اور اس کا ایک ایک لفظ برحق ہے۔

تصور 2: ایمان بالملائکہ کا ہمہ گیر تصور

2. قران کی روشن میں ملائکہ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرشتوں کی تخلیق اور مقصد کے بارے میں فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۚ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ [فاطر:۱]

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، (ایسے فرشتے) جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۔ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۔ [شعراء، ۱۹۳۔۱۹۴]

یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار فرشتہ (جبرائیل امین) اترا ہے۔

چنانچہ اللہ کا پیغام لے کر رسولوں کو پہنچانا ان فرشتوں کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ بہت سے کاموں پر مامور ہیں مثلاً:

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۔ [سجدہ، ۱۱]

اِن سے کہو، موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹا لائے جاؤ گے۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ۔ [رعد،۱۱]

ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کیے ہوئے نگراں لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی اور جب اللہ کسی قوم کی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی، نہ اللہ کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

اس طرح ان کے دیگر اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

- اچھے اور برے اعمال لکھنا (کرامن کاتبین) [ق،۱۷۔۱۸]
- جنت کے داروغہ۔ [زمر،۷۳]
- جہنم کے داروغہ۔ [زمر،۷۱]
- حاملین عرش الٰہی۔ [غافر،۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپؐ پر جنگ احد والے دن سے بھی زیادہ سخت دن کوئی آیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ہاں! میں نے تیری قوم سے بہت تکلیف اٹھائی ہے، اور سب سے زیادہ تکلیف مجھے اس عقبہ والے دن پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو (اسلام کی دعوت کے لئے) ابن عبد یالیل بن کلال پر پیش کیا (جو طائف کا ایک بڑا سردار تھا) اس نے میری دعوت کو، جو میں چاہتا تھا، قبول نہیں کیا (بلکہ آوارہ بازاری لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جنہوں نے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا) تو میں وہاں سے سخت پریشان ہو کر نکلا۔ قرن ثعالب (نامی جگہ) پر پہنچ کر مجھے کچھ افاقہ ہوا تو میں نے سر اٹھایا تو میں نے ایک بدلی دیکھی جس نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ بات سن لی ہے جو انہوں نے آپ سے کہا ہے۔ اور وہ بھی جو انہوں نے آپ کو جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں پر مقرر فرشتہ بھیجا ہے تا کہ آپؐ اسے ان لوگوں کی بابت جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا۔ اے محمد (ﷺ)! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی گفتگو جو انہوں نے آپ کے ساتھ کی ہے، سن لی ہے۔ مجھے میرے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپؐ مجھے اپنے معاملے میں حکم دیں، پس آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ چاہیں تو میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ (ایسا نہ کرو) بلکہ مجھے امید ہے کی اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

چنانچہ اس حدیث کی رو سے ہم یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی پہاڑوں پر، کوئی سمندروں پر، کوئی ستاروں پر غرضیکہ اللہ کے کی بڑی بڑی مخلوقات کا نظام سنبھالنے پر بھی شاید یہ ملائکہ ہی مامور ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرے لفظوں میں یہ اللہ کی وہ فوج ہے جو اس کے حکم کے مطابق کاموں پر مامور ہے اور اس کے حکم کی منتظر ہے۔ اللہ ان کی یہ صفت یوں بیان فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔ [تحریم، ۶]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔

تصور 3: مقام نیابت الٰہی اور ملائکہ کا تعلق

3. ایمان بالملائکہ کا ہمہ گیر تصور: نیابت الٰہی اور انسان کے حوالے سے فرشتوں کا مقام

نیابت الٰہی ایک بہت بلند مقام ہے، یہی انسان کی اصل ہے، اسی لیے وہ اس دنیا میں بھیجا گیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا گیا۔ اللہ فرماتے ہیں:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ [بقرۃ: ۳۴]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر فرشتوں کو سجدہ کیوں کروایا گیا؟

اس مقام کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جب ملٹری اکیڈمی میں کیڈٹس کو بھیجا جاتا ہے تو ہر ایک طویل اور مشقت آمیز تربیتی مراحل سے گزرتا ہے۔ جو جتنے اچھے انداز میں ان مراحل سے گزرتا ہے وہ اتنا ہی بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور ہر مقام پر اس کے ماتحت کچھ سپاہی کر دیے جاتے ہیں جو اس کے حکم کی تعمیل میں ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک ایسا بھی ہوتا ہے جو ان مراحل کو اس انداز میں طے کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ساری فوج کا چیف بننے کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے، جس کے حکم کی تعمیل میں ساری فوج آجاتی ہے۔ گو کہ ملٹری اکیڈمی میں بھیجے جانے والے کیڈٹس میں سے ہر ایک اس مقام کو پا لینے کا حق رکھتا ہے، لیکن اس کو پا وہی سکتا ہے جو اس کے تقاضے پورے کرنے کے قابل ہو۔ یہی معاملہ نیابت الٰہی کا ہے۔

فرشتے اللہ کے کارندے ہیں جو ساری کائنات کے عناصر پر تعینات ہیں۔ چنانچہ کوئی پہاڑوں کا نظام سنبھالے ہوئے ہے تو کوئی دریاوں اور سمندروں کا، علی ھذہ قیاس کائنات کے تمام نظامات انہیں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلاتے ہیں۔ ان سب کا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نائب یعنی انسان کو سجدہ کرنا اس امر کی دلیل تھا کہ اس کا حکم ان سب پر چل سکتا ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہو گا جب وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرے گا۔

دنیا ایک اکیڈمی ہے جس میں انسانوں کو بھیجا جاتا ہے۔ ان کی تربیت کا ایک نظام اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے سے واضح کر دیا ہے۔ جو ان طے شدہ مراحل سے گزرتا ہے اور جتنا بہتر انداز میں گزرتا ہے وہ اتنا ہی اعلیٰ مقام پا لیتا ہے اور اتنے ہی زیادہ فرشتے اس کے حکم کی تعمیل میں لگا دیے جاتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں سے انبیاء و رسل علیہم السلام ہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو بلند ترین مقامات پر فائز ہوئے، اور ان کے ماتحت بڑے بڑے فرشتے تک کر دیے گئے۔ اور وہ ہستی جو اس مقام کی معراج پر پہنچی حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے کہ جن کو فرشتوں کے سردار جبرائیل امینؑ بھی رپورٹ کرتے تھے۔ فرشتوں کی ماتحتی کا سب سے بڑا مظہر ان کی نصرت ہے جو اللہ کے اذن سے مشکل حالات میں انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کے سچے متبعین کو ملتی رہی۔ اس بے پناہ طاقت کو وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے لیے استعمال کرتے ہیں، تاکہ اسے امن کا گہوارا اور جنت فی العرض بنا سکیں۔ علامہ اس حقیقت کو غزوہ بدر کے تناظر میں بیان کرتے ہیں جب مسلمانوں کو فرشتوں کی نصرت حاصل ہوئی تھی:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار

وہ پہلا موقع جب صحابہؓ کو اپنی خودی سے باقائدہ آشنائی حاصل ہوئی وہ غزوہ بدر کا موقع تھا اور اسکے بعد تو یہ سلسلہ غزوہ احد، احزاب، حدیبیہ، فتح مکہ، حنین، تبوک ۔۔تک برابر جاری رہا، اور اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر اپنی خصوصی مدد کے بارے میں مومنین کو قرآن میں متنبہ کیا۔ مدد کے یہ سب اسباب فرشتوں کے ذریعے ہی سے مومنین کو ملتے رہے۔ فرشتوں کی اس مدد کے بارے میں جو اہل ایمان کو ملتی رہی اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۔نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۔ [حم السجدہ،۳۱،۳۰]

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ "نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۔ ہم اِس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی، وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ فرشتے اس دنیا میں بھی مرد مومن کی تائید و نصرت کرتے ہیں لیکن شرط وہی ہے کہ انسان اپنے اصل مقام نیابت الٰہی سے آشنا ہو اور اس ذمہ داری کو بالفعل ادا کر رہا ہو۔

بنیادی افکار و نظریات کی فہرست

تصور1: شعوری اور غیر شعوری ایمان	15
تصور2: ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم	19
تصور3: ایمانیات کی تفہیم میں رکاوٹ: چند غلط تصورات	20
تصور4: اللہ کے وجود اور اس کی واحدانیت پر مبرہن دلائل	22
تصور7: اللہ تعالیٰ اور دین حق کی شناخت پر دوسری مبرہن دلیل (جو آج موجود نہیں)	25
تصور5: معجزہِ قرآن اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی واحدانیت اور اس کی شناخت پر حتمی دلیل	25
تصور6: معجزہِ کی تعریف، دلیل معجزہ کی اہمیت، دلیل معجزہ پر اعتراضات کے جوابات، معجزات کی دو صورتیں	27
تصور8: قرآن مجید کی حقانیت پر دیگر دلائل	31
تصور1(a): شرک کی اقسام	35
تصور1(b): شرک فی الذات	35
تصور2: شرک فی الصفات کا تعارف اور اس کی نشاندہی کے اصول	37
تصور3: شرک فی الصفات کی پہلی صورت: شفاعت باطلہ کا عقیدہ	38
تصور4: شرک فی الصفات کی دوسری صورت: استعانت میں شرک	39
تصور5: جھوٹے پیروں اور عاملوں کی پہچان	40
تصور6: شرک فی الصفات کی دیگر صورتیں: علم، مادّہ پرستی اور حاکمیت میں شرک	41
تصور7: شرک فی العمل یا شرک فی الحقوق کی صورتیں اور عصر حاضر کے خداؤں کی پہچان	43
تصور8: شرک اصغر شرک اکبر میں کیسے تبدیل ہوتا ہے؟	48
تصور1: ایمان بالآخرت کا تعارف	51
تصور2: ایمان بالآخرت کے عقلی دلائل	53
تصور3: آخرت کا واضح انکار یا اس کے بارے میں گمان	55
تصور4: انکار مع الاقرار: شفاعت کا غلط تصور	56
تصور5: انکار مع الاقرار: نسلی یا مذہبی امتیاز	59
تصور6: انکار مع الاقرار: رحمت الٰہی کا غلط تصور	60
تصور7: انکار مع الاقرار: ہدایت یا توفیق کا غلط تصور	61

تصور8: آخرت کے انکار کا سب سے بڑا سبب اور ہمارے لیے ایک بڑا سوال	62
تصور1: ایمان بالکتاب کا تعرف	64
تصور2: کلام کا متکلم سے اور خالق کا مخلوق سے تعلق اور قرآن کا اللہ کی صفت کلام کی ایک تجلی ہونا	66
تصور3: قرآن کا اصل مقام و مرتبہ اور اس کا اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہونا	67
تصور4: نزول قرآن کا مقصد	71
تصور5: قرآن کے ذریعے اللہ سے کلام کرنے کی سعادت نصیب ہونا اور اس کے ذریعے اللہ کی پہچان	72
تصور6: ایمان بالقرآن کے تقاضے	74
تصور1: ایمان بالقدر کی اہمیت اور اس پر عقلی دلائل	78
تصور2: ایمان بالقدر کا ہمہ گیر تصور	78
تصور3: ایمان بالقدر کے ضمن میں دو غلط تصورات (قدریہ، جبریہ)	79
تصور4: تقدیر کو سمجھنے کے ضمن میں مشکلات	83
تصور6: خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟	86
تصور1: ایمان بالرسالت کی اہمیت اور اس پر عقلی دلائل	88
تصور2: رسول ﷺ کا مقام بطور ایک انسان اور ایک رسولؐ کے	89
تصور3: حقیقت انسان	89
تصور4: انسان کی عظمت کو ماپنے کے معیارات	89
تصور5: فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں	90
تصور6: ایمان بالرسالت کے تقاضے	94
تصور7: آئیڈیئل کی توحید	98
تصور1: ایمان بالملائکہ پر عقلی دلائل	99
تصور2: ایمان بالملائکہ کا ہمہ گیر تصور	99
تصور3: مقام نیابت الٰہی اور ملائکہ کا تعلق	101
بنیادی افکار و نظریات کی فہرست	103